بحیرہ خذر: ''نئی گریٹ گیم'' کا میدان کارزار

محمد الیاس خان

انیسویں صدی میں وسطی ایشیا اور قفقاز کا خطہ دو عالمی طاقتوں کے مابین ایک منفرد نوعیت کی مسابقت کا مرکز رہا ہے جسے رڈیارڈ کپلنگ اور جارج میکڈونلڈ فریزر جیسے افسانہ نگاروں نے ''گریٹ گیم'' کا نام دیا۔ گریٹ گیم کے نام سے مشہور ماضی کی اس خاموش جنگ کے فریق زار شاہی روس اور برطانوی سلطنت تھے۔ تقریباً ایک صدی پر محیط استعماری عزائم کی تکمیل کے لیے لڑی جانے والی اس جنگ میں استعمال ہونے والے ہتھیار زیادہ تر خفیہ ہتھکنڈے تھے۔ اس جنگ میں سیاسی جوڑ توڑ، خفیہ سازشیں، مساحت ارضی کے نام پر سراغرساں مہمات کی روانگی، مقامی حکمرانوں پر اثر انداز ہونے کے لیے نت نئی چالیں اور محدود تزویراتی مفادات کے حصول کے لیے نیم فوجی مہم جوئی تک ہر طرح کے حربے دونوں طرف سے استعمال کیے جاتے رہے۔

اس گریٹ گیم کے مقاصد کیا تھے؟ ابتداءً برطانیہ اور زار شاہی روس دونوں ہی وسطی ایشیا اور قفقاز کی تجارتی منڈیوں اور یہاں سے گزرنے والی تجارتی شاہراہوں پر اپنا اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں زار شاہی روسی افواج نے خطے پر اپنا فوجی قبضہ بتدریج مستحکم کر لیا اور یوں اس خطے کو برطانیہ کے لیے شجر ممنوعہ بنا دیا گیا۔ اگر چہ گریٹ گیم کے اس پہلے مرحلے میں برطانیہ کو شکست سے دوچار کر دیا گیا تھا، تاہم فتح کی خوشیوں سے سرشار زار شاہی افواج کی نگاہیں اب خود برطانوی ہند (برصغیر پاکستان و ہندوستان) اور اس کے سرحدی علاقوں پر جمی ہوئی تھیں۔ روسی نہ صرف افغانستان کے راستے برطانوی ہند کی سرحدات کے قریب تر پہنچ کر

برصغیر میں برطانوی راج کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ برصغیر کے راستے کھلے سمندروں تک رسائی کے اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل کے لیے مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔اس پس منظر میں گریٹ گیم کے اس نئے مرحلے میں برطانیہ کی اولین ترجیح شمال کی جانب سے بڑھتے ہوئے روسی دباؤ کے آگے بند باندھنا تھا۔ برطانیہ افغانستان کے راستے سرزمین ہند تک رسائی کے روسی توسیعی منصوبوں کو ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔گریٹ گیم کا یہ دوسرا مرحلہ اس وقت اختتام پذیر ہوا جب ۱۹۰۷ء میں سینٹ پیٹرز برگ میں برطانیہ اور روس کے مابین افغانستان کو دونوں سلطنتوں کے مابین بفرسٹیٹ قرار دینے کے معاہدہ پر دستخط ہوئے[۲]۔

برطانیہ اور زار شاہی روس کے مابین ماضی کی اس گریٹ گیم کے رسمی اختتام کے تقریباً نوے سال بعد تاریخ کا پہیہ چکر کاٹ کر واپس اسی مقام پر آ گیا ہے۔وسطی ایشیا اور قفقاز میں تاریخ اپنے آپ کو پھر دہرا رہی ہے، گریٹ گیم کا ازسرنو احیاء ہو گیا ہے۔''نیو گریٹ گیم'' کے نام سے اس وقت جو جنگ لڑی جا رہی ہے اس کا مقصد بحیرہ خذر (کیسپین) کے سواحل پر واقع نو آزاد وسط ایشیائی (اور قفقازی) ریاستوں میں پائے جانے والے وسائل توانائی پر تسلط جمانا ہے۔نئی گریٹ گیم ماضی کی طرح دو طاقتوں تک محدود نہیں ہے۔اب کی بار بحیرہ خذر اور اس کے سواحل پر لگنے والے میدان کارزار میں برسرپیکار پہلوانوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔نئی جنگ کے اصول بھی نئے ہیں اور اس میں استعمال ہونے والے اوزار بھی مختلف ہیں۔مہم جوئی کے روایتی طریقوں کے بجائے وسیع تر سرمایہ کاری، جمہوری اصلاحات کی تشجیع، منڈی کی معیشت کی ترویج، نجکاری کی حوصلہ افزائی اور اتصالات و ذرائع نقل وحمل کی تجدید و اصلاح میں ''مالی معاونت'' کو اب بطور ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے۔

بحیرہ خذر کی ساحلی ریاستوں کے وسائل توانائی پر تسلط کی اس نئی مسابقت کے اہم کرداروں میں خود خطے کی ریاستیں، امریکہ، ایران، ترکی، چین، روس، مغربی ممالک، بھارت، اسرائیل اور

افغانستان و پاکستان شامل ہیں۔ اگر چہ مسابقت کے ان نئے کرداروں کا مشترکہ ہدف خطے کے وسائل توانائی سے بھرپور استفادہ (خود خطے کی ریاستوں کی صورت میں) اور (بیرونی کرداروں کی صورت میں) ان تک رسائی ہے، تاہم ان میں سے بعض کردار ایسے ہیں جن کا مطمح نظر اقتصادی فوائد کے حصول کے ساتھ ساتھ خطے میں جیوسٹراٹیجی، جیو سیاسی اور بعض صورتوں میں نظریاتی اہداف کا حصول بھی ہے۔ متنوع اہداف کے حصول کے خواہاں ان کرداروں میں امریکہ، روس، چین، ایران، اسرائیل اور بھارت شامل ہیں۔

۱۹۹۱ء میں سابق سوویت یونین کے انہدام سے قبل ماسکو اس خطے اور اس کے وسائل توانائی کا بلاشرکت غیرے مالک تھا۔ سوویت یونین کے زوال کے نتیجے میں بحیرہ خذر کے سواحل سے متصل جو ریاستیں آزادی کی نعمت سے سرفراز ہوئیں ان میں اس کے شمال مشرق میں واقع دو وسط ایشیائی ریاستیں ترکمنستان اور قازقستان اور اس کے مغرب میں واقع جنوبی قفقاز کی ریاست آذربائیجان شامل ہیں۔ ۷۰ سال بعد سوویت آہنی پردہ کی اوٹ سے نمودار ہونے والی یہ ریاستیں معدنی وسائل کے علاوہ گیس اور تیل کی بے بہا دولت سے مالا مال ہیں۔ وسطی ایشیا کی تین دیگر نو آزاد ریاستوں۔ کرغیزستان، ازبکستان اور تاجکستان۔ میں بھی اگر چہ معدنی دولت کی فراوانی ہے تاہم ان کی سرحدیں بحیرہ خذر سے نہیں ملتیں۔ تیل اور گیس کے ذخائر بحیرہ خذر کی تہہ اور اس کے سواحل میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان نو آزاد ریاستوں میں سے قازقستان، ترکمنستان اور آذربائیجان (بحیرہ کے ساحلی ممالک ہونے کے ناطے) تیل اور گیس سے مالا مال خطے میں واقع ہیں۔

سوویت عہد میں وسطی ایشیا اور قفقاز کی ان تمام مسلمان ریاستوں کو صنعتی طور پر کمزور رکھا گیا اور یہاں کی معدنی دولت اور بیش بہا اقتصادی وسائل کو یورپی روس کی صنعتی اور اقتصادی ترقی کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔ سوویت عہد میں ان ریاستوں میں جو اقتصادی ڈھانچے تعمیر گئے گئے ان

کا مقصد وحید مقامی وسائل اور خام مال پر مرکز (رشین فیڈ ریشن) کی اجارہ داری کو دوام بخشنا تھا۔ دیگر سابق سوویت جمہوریتوں کی طرح وسائل توانائی اور معدنی دولت سے مالا مال بحیرہ خذر کے اس ساحلی خطے کو ایک ایسی مرکزیت پسند معیشت کا حصہ بنا دیا گیا تھا، جس میں خود اپنے وسائل پر اس کا اختیار اس سے سلب کر لیا گیا تھا۔ اسے مرکز پر انحصار کے ایسے مضبوط شکنجے میں جکڑ لیا گیا تھا کہ اسے اپنی تمام تر ضروریات کی تکمیل کے لیے ماسکو کے سامنے جھولی پھیلانا پڑتی تھی۔ خود مقامی پیداوار سے استفادہ کرنے کے لیے اسے مرکز کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، کیونکہ خطے کے تمام تر اقتصادی وسائل کا بہاؤ ماسکو کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ خطے کی خام پیداوار کی پراسیسنگ کی صنعتیں رشین فیڈ ریشن اور دیگر یورپی ریاستوں میں لگائی گئیں، چنانچہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو کپاس کی اپنی ہی پیداوار کی مصنوعات رشین فیڈ ریشن اور سوویت یونین کی دیگر یورپی ریاستوں سے درآمد کرنا پڑتی تھیں[۲]۔ تیل اور گیس کے کنویں تو وسطی ایشیا اور قفقاز میں واقع تھے لیکن ان کی پیداوار رشین فیڈ ریشن اور سوویت یونین کے دیگر یورپی علاقوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ تیل اور گیس کی ترسیل اور مارکیٹنگ کا نظام بھی مکمل طور پر رشین فیڈ ریشن کے کنٹرول میں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ نظری طور پر سوویت یونین میں شامل مساوی درجے کی جمہوریتیں ہونے کے باوجود وسطی ایشیا اور قفقاز کی یہ مسلم ریاستیں عملی طور پر ماسکو کی استعماری کالونیاں بنا کر رکھ دی گئی تھیں۔ ان کی معیشت کے ہیکل اساسی مکمل طور پر روسی فیڈ ریشن کے اقتصادی ڈھانچوں سے منسلک کر دیے گئے تھے، تاکہ ان کی اقتصادیات پر مرکز (یعنی روسی فیڈ ریشن) کی گرفت کو مضبوط کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر ان ریاستوں میں بجلی کی پیداوار اور ترسیل کے نظاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے کی بجائے روسی گرڈ سٹیشنوں کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تھا، چنانچہ بجلی کی مقامی پیداوار کی ترسیل اولاً روسی فیڈ ریشن کو ہوتی تھی اور پھر وہاں سے "مقامی ضروریات" کی تکمیل کے لیے ٹرانسمیشن لائنوں کے ذریعے ان ریاستوں کو بجلی سپلائی

کی جاتی تھی۔ اتصالات اور نقل وحمل کے ذرائع کا بھی یہی حال تھا۔ ان ریاستوں میں ٹرانسپورٹ کا جو نظام وضع کیا گیا اس کا مقصد ان ریاستوں کے اندر کے علاقوں اور شہروں کو ایک دوسرے سے ملانے کے بجائے یہاں اقتصادی اہمیت کے حامل شہروں اور قصبات کو ماسکو سے ملانا تھا"۔

تیل اور گیس کے علاوہ ان ریاستوں میں کرومیم، سونا، تانبا، جست، سکہ اور وولفرم کے بھی وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ یہ ریاستیں خام لوہے اور کوئلے کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ معدنیات کے ان وافر ذخائر کے اخراج سے متعلق صنعت پر بھی مکمل طور پر روسی چھائے ہوئے تھے۔ اس صنعت سے وابستہ انجینئر اور سائنس دان روسی نوآبادکار تھے، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی رشین فیڈریشن اور دیگر سوویت علاقوں کی صنعتی ترقی اور سوویت افواج کی ضروریات پر خرچ ہوتی تھی[۵]۔

روس اور نوآزاد ریاستیں: مفادات میں ٹکراؤ

اس پس منظر میں جب ۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے بکھرنے کے بعد (منجملہ دیگر ریاستوں کے) بحیرہ خذر کی ساحلی ریاستیں آزاد ہوئیں تو انہیں اقتصادی شعبے میں روسی فیڈریشن اور دیگر نو آزاد سابق سوویت ریاستوں پر انحصار کے شکنجے سے نکلنے کے چیلنج کا سامنا تھا۔ عسکری اور سیاسی ڈھانچوں کی تشکیل نو کے ساتھ ساتھ سوویت دور کے مرکزیت پسند اقتصادی نظام کے تباہ کن اثرات سے نکلنے کے لیے اپنے اقتصادی وسائل کی ازسرنو مؤثر تنظیم اور قومی بہبود اور حقیقی معاشرتی ترقی کے لیے ان کا بھرپور استعمال ان کی پہلی ترجیح قرار پائی۔ ظاہر ہے یہ کام کثیر سرمائے، مسلسل بیرونی معاونت اور روس سے ماورا خطوں میں کھلے سمندروں تک رسائی کے لیے نئی تجارتی گزرگاہوں کی دریافت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بحیرہ خذر کے سواحل پر واقع یہ نوآزاد مسلم ریاستیں چاروں طرف سے خشکی میں گھری ہوئی ہیں (بحیرہ خذر کھلا سمندر نہیں ہے بلکہ یہ خشکی سے گھری

ہوئی ایک بڑی جھیل ہے)، اور انہیں کھلے سمندروں تک براہ راست رسائی حاصل نہیں ہے۔ ۱۹۹۱ء میں آزادی کے بعد سے یہ ریاستیں مسلسل اس بات کے لیے کوشاں رہی ہیں کہ وہ سوویت عہد سے ورثہ میں ملے ہوئے نظام کی طرف سے مسلط کردہ باہمی انحصار کے اس مکروہ شکنجے سے نکل آئیں جس کی وجہ سے رسمی طور پر اعلان آزادی کے بعد بھی روسی فیڈریشن اور دیگر نوآزاد ریاستوں کے ساتھ اقتصادی، سیاسی اور فوجی شعبوں میں سوویت طرز کے روابط برقرار رکھنا بدستور ان کی ضرورت بنی ہوئی ہے۔ حالات کے جبر کے تحت ''آزاد ممالک کی دولت مشترکہ'' (CIS) میں شمولیت کے باوجود یہ ریاستیں مستقلاً کسی ایسی ''یونین'' کا حصہ بننے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہیں، جس کی وجہ سے مستقبل میں انہیں اپنے اقتصادی وسائل کو اپنی مرضی کے مطابق ترقی دینے اور بیرونی دنیا کے ساتھ آزادانہ تجارت کے ذریعہ اپنی قومی خوش حالی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے میں مشکلات درپیش ہوں۔ چنانچہ ماسکو کی اقتصادی بالادستی سے چھٹکارا پانے کی غرض سے ان ریاستوں نے اپنے دروازے دیگر ممالک کے لیے کھول دیے ہیں۔ یہ ریاستیں بیرونی سرمایہ کاری کے ذریعے اپنے لامحدود قدرتی وسائل کو ترقی دینا چاہتی ہیں اور پھر آزاد دنیا تک ان کی ترسیل کے لیے (متبادل گزرگاہوں اور پائپ لائنوں کی تعمیر کے ذریعے) پڑوسی ممالک کے سواحل اور کھلے سمندروں تک رسائی جیسے مسائل ان کے لیے فوری اہمیت کے حامل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ ریاستیں ہر وہ قدم اٹھانے کے لیے بے قرار ہیں جس کے نتیجے میں انہیں اپنے بیش بہا قدرتی وسائل اور معدنی دولت سے صحیح طور پر مستفید ہونے کے لیے درکار بیرونی معاونت اور سرمایہ حاصل ہو۔ پاکستان ایران اور ترکی پر مشتمل اقتصادی تعاون کی تنظیم (ای سی او) میں ان کی شمولیت کی پشت پر بھی یہی عوامل کارفرما تھے۔

دوسری طرف سوویت انہدام کے فوری بعد کے عرصہ میں اگرچہ ماسکو کے حکمران وسطی ایشیا اور قفقاز کی ان غیر ترقی یافتہ ریاستوں کے بوجھ سے ''چھٹکارا'' پانے کو رشین فیڈریشن کے لیے

نیک شگون سمجھتے رہے تاہم جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ اپنی گم گشتہ عظمت کی بحالی اور عالمی طور پر اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کی بحالی کے لیے انہیں نہ صرف وسطی ایشیا بلکہ تمام نو آزاد سابق سوویت ریاستوں کو بدستور اپنے زیر اثر رکھنا ضروری ہے۔ مغرب کے ساتھ "پارٹنر شپ فار پیس پروگرام" کے تحت ایک مختصر عرصہ تک "دوستی" کے بعد کریملن کے حکمرانوں پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مغرب اسے ایک برتر یورپی طاقت کے طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جمہوری اصلاحات، نجکاری اور منڈی کی معیشت کی ترویج کے لیے مغرب اور اس کے مالیاتی اداروں کی طرف سے روس کی امداد نہ صرف ماسکو کے حکمرانوں کی توقعات سے کم تر رہی ہے بلکہ روسیوں کے نقطہ نظر سے اس امداد کی پشت پر کارفرما مغربی مقاصد میں روس کو اقتصادی مشکلات کے گرداب میں ہمیشہ کے لیے پھنسائے رکھنا ہے۔ روسی سمجھتے ہیں کہ مغرب و امریکہ نے اولاً (افغان جہاد میں سابق سوویت افواج کو لمبے عرصہ تک الجھائے رکھ کر) روس کی اقتصادی تباہ حالی میں زبردست کردار ادا کیا، اور اب اس کی اقتصادی بحالی کے نام پر وہ جو امداد فراہم کر رہے ہیں وہ محض اس کی طفیلی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے ہے۔ اس تناظر میں کریملن کے حکمران اور روسی عوام بتدریج مغرب و امریکہ سے مایوس ہوتے چلے گئے۔ روسی عوام کی مغرب سے مایوسی کا واضح اظہار گذشتہ روسی انتخابات میں مغرب نواز اصلاحات پسندوں کے مقابلے میں قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کے حق میں ان کے فیصلہ سے ہوتا ہے۔

روسی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اقتصادی امداد کے بہانے امریکہ اور مغربی طاقتیں دراصل روس کو اپنا تابع مہمل بنانا چاہتی ہیں۔ چنانچہ وہ روس کے لیے امداد کا بہاؤ اس طرح سے "ایڈجسٹ" کر رہے ہیں کہ نہ تو اس سے ماسکو کی اقتصادی مشکلات کا خاتمہ ہو اور نہ ہی یہ روسی عوام اور قیادت کی مغرب سے مکمل مایوسی کا ذریعہ بنے۔ مغرب کے انہی رویوں کے پیش نظر روس میں "ماضی کی عظمت" کی بحالی کی علمبردار سیاسی قوتوں کو پذیرائی حاصل ہو رہی ہے "ژرنووسکی فینامنا" اور

کمیونسٹ قوتوں کے از سر نو ظہور کی پشت پر مغرب کی طرف سے روس کو نظر انداز کرنے کی پالیسیاں ہی کارفرما ہیں۔

روسی حساسیت کو پس پشت ڈال کر مشرق کی سمت ناٹو کی توسیع پر مغرب کے اصرار اور بین الاقوامی معاملات میں روس کے مؤقف کو یکسر مسترد کرنے کے مغربی اور امریکی رویوں نے بھی ماسکو کی مغرب سے دوری میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مغرب و امریکہ کی طرف سے یورپی یونین میں روس کی شمولیت کی مخالفت اور ناٹو کی طرف سے یورپی معاملات میں روسی کردار کی نفی پر اصرار ایسے عوامل ہیں جنہوں نے روس کو ایک بار پھر اپنی گم گشتہ سلطنت کی بحالی کی راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ مغرب نے سوویت انہدام کے بعد کے ابتدائی سالوں میں سابق سوویت ریاستوں میں ''امن کاری'' اور ''امن سازی'' سے متعلق روس کے برتر حق کو عملاً تسلیم کر لیا تھا، تاہم اس خطے میں ''نو دریافت'' امریکی اور مغربی مفادات کے پیش نظر اب مغرب و امریکہ روس کی اس حیثیت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ خطے کے ''اسلامی بنیاد پرستی'' اور ''مسلم عسکریت پسندی'' کی آماج گاہ بن جانے سے متعلق وہ خدشات بتدریج ختم ہونا شروع ہو گئے ہیں جن سے نبرد آزما ہونے کے لیے مغرب و امریکہ یہاں (بطور حلیف) روس کے فیصلہ کن کردار کو تسلیم کرنے پر تیار ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ علاقائی طاقت کی حیثیت سے مغرب کو اب بھی روس کی بطور حلیف ضرورت ہے تاکہ مشرقی یورپ، مشرق وسطی، افریقہ، جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا اور بحر الکاہل کے علاقوں میں ناٹو اور خاص کر امریکہ کے ممکنہ عسکری و سفارتی اقدامات کو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں روس کے حق استرداد سے بچایا جا سکے، تاہم چونکہ خطے میں سابق کمیونسٹ سیکولر عناصر کا اقتدار اب مستحکم ہو چکا ہے لہذا مغرب و امریکہ اب تیل اور گیس کی دولت سے مالا مال اس مخصوص خطے میں روس کے برتر، خصوصی اور فیصلہ کن کردار کو مزید تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں مغرب نے

بعض علامتی اقدامات کے ذریعے روس کو یہ باور کرانا شروع کر دیا ہے کہ اب اس کا نظریہ ''قریبی بیرون'' ان کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ نگورنو کاراباخ کے تنازعہ میں تنظیم برائے یورپی تعاون و سلامتی (OSCE) کی براہ راست مداخلت، ستمبر ۱۹۹۷ء میں وسط ایشیائی ریاستوں، ترکی اور امریکہ کے فوجی دستوں کی مشترکہ مشقیں اور بعض دیگر اقدامات مغرب کی طرف سے ماسکو کے لیے اسی قسم کے پیغام کا درجہ رکھتی ہیں۔ مغرب وامریکہ اس خطے کے وسائل توانائی اور معدنی دولت کے ذخائر تک رسائی چاہتے ہیں اور ان پر ماضی کی طرح ماسکو کی اجارہ داری انہیں قطعاً قابل قبول نہیں ہے[۶]۔

روس کے ساتھ مغرب کے ان بدلتے رویوں نے ماسکو کے حکمران حلقوں میں اپنے ''قریبی بیرون'' پر تسلط از سرنو مضبوط کرنے سے متعلق رجحانات کو مزید تقویت پہنچائی۔ چنانچہ پچھلے کچھ عرصہ سے وہ سابق سوویت ریاستوں کے روس کے ساتھ ''مکمل اقتصادی، عسکری اور سیاسی انضمام'' کے لیے مسلسل اقدامات میں مصروف رہے ہیں۔ بیلا روس کے ساتھ اتحاد کا سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ قازقستان کے ساتھ درجنوں معاہدوں پر دستخط کیے گئے جن کی رو سے دونوں ممالک کی خارجہ پالیسیوں میں یگانگت، فوجی اور اقتصادی شعبوں میں تعاون اور ''بیرونی تجارت کی پالیسیوں میں وحدت و یکسانیت'' پیدا کی جائے گی۔ ان معاہدوں میں مشترکہ افواج کی تشکیل، سرحدات کے مشترکہ دفاع اور ایک دوسرے کی فوجی تنصیبات سے استفادہ اور اہم بین الاقوامی وعلاقائی مسائل سے متعلق مشترکہ مؤقف اختیار کرنے کے لیے قریبی تعاون پر زور دیا گیا ہے[۷]۔

۱۹۹۵ء میں روسی ایوان بالا کے چیئر مین والا دیمیر شمیکو نے کہا تھا: ''[روسی قیادت] شدت سے اس دن کا انتظار کر رہی ہے، جب روس کے زیر قیادت، آزاد ممالک کی دولت مشترکہ کے ممبران بین الاقوامی معاملات میں ''واحد ادارے'' کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کریں گے''۔ سابق سوویت ریاستوں کی روس کے ساتھ از سرنو انضمام کی سرتوڑ اور منظم روسی کوششوں کا مظہر

''کسٹمز یونین''، ''سنگل اکانومک سپیس''، ''جائنٹ آرمڈ فورسز'' اور ''واحد بیرونی سرحد'' کے تحفظ کے لیے ''مشترکہ دفاع کے نظام'' کے عنوانات سے معاہدات کا وہ سلسلہ ہے جو روس اور ''آزاد ممالک کی دولت مشترکہ'' کی مختلف ریاستوں کے مابین پچھلے سالوں میں طے پائے ہیں [۸]۔

مغرب اور امریکہ کی طرف سے پڑنے والے دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لیے روس اپنی گم گشتہ سلطنت کی از سر نو شیرازہ بندی کی جو سر توڑ کوششیں کر رہا ہے اس کے سیاسی اور جیوسٹرا ٹیجی مقاصد سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا، تاہم ان کوششوں کا ایک اہم مقصد خطے کے اقتصادی وسائل پر روسی اجارہ داری کے تسلسل کو برقرار رکھنا ہے۔ خطے سے متعلق اقتصادی مفادات کے حوالے سے روسیوں کی کوشش ہے کہ وہ اس وقت تک وسطی ایشیا اور قفقاز میں واقع بحیرہ خذر کے ساحلی ممالک میں پائے جانے والے قدرتی وسائل کی دولت اور معدنی ذخائر کے گرد حصار قائم رکھیں جب تک وہ خود اس پوزیشن میں نہیں آتے کہ ان وسائل کو مکمل طور پر اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکیں۔ اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے روسی خطے میں تا حال اپنی برتر عسکری، اقتصادی اور سیاسی حیثیت کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اولاً روس خود بحیرہ خذر کی ساحلی ریاست ہونے کی حیثیت سے نو آزاد مسلم ریاستوں کے وسائل توانائی میں ''حصے داری'' کا دعویدار ہے۔ ثانیاً وہ تیل اور گیس کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے ان ریاستوں کی موجودہ مرحلے میں روسی پائپ لائنوں پر انحصار کو دوام دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا نظر آرہا ہے اور ثالثاً وہ خطے کی ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں پر اثر انداز ہونے کی اپنی زبردست صلاحیتوں کو استعمال کر رہا ہے۔ ماسکو حتی المقدور کوشش کر رہا ہے کہ ''روسی امن کار دستوں'' اور ''دولت مشترکہ کے سرحدی محافظ دستوں'' کی تعیناتی کے ذریعے روسی افواج کی خطے میں موجودگی کو یقینی بنایا جائے۔ اس سلسلے میں وہ نہ صرف خطے میں (سوویت عہد کے پیدا کردہ) خوابیدہ تنازعات کو از سر نو بڑھکانے کی پالیسیوں پر گامزن ہے بلکہ موقع اور محل کی مناسبت سے فریقین میں سے کسی ایک کے حق میں مسلح مداخلت سے بھی

نہیں چوکتا ہے۔ الغرض ماسکو تمام وہ اقدامات اٹھانے پر کمر بستہ نظر آ رہا ہے جن کے نتیجے میں ایسے حالات پیدا ہوں کہ خطے کی ریاستیں روس کی طفیلی بن کر رہنے پر مجبور ہوں۔

چنانچہ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو تیل اور گیس کی دولت سے مالا مال یہ نو آزاد ریاستیں سوویت عہد کے اقتصادی ڈھانچے کا حصہ ہونے کے نتیجہ میں روس پر مکمل انحصار کے جس شکنجے میں جکڑی ہوئی ہیں، اس سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں اور دوسری طرف متعدد اسباب و وجوہات کی بنا پر ان کے سابقہ آقا (روسی) انہیں بدستور اپنا مطیع فرمان رکھنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ دونوں کے اقتصادی مفادات میں یہ زبردست ٹکراؤ ہی دراصل بیرونی طاقتوں کی طرف سے اس کشمکش میں کود پڑنے کی حوصلہ افزائی کا اولین سبب بنا ہے۔ مفادات کے اس ٹکراؤ کے نتیجے میں روسیوں کی زبردست کوشش ہے کہ اولاً تو خطے کے وسائل توانائی کے اخراج اور ان کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے مجوزہ پائپ لائنوں کی تعمیر کے سلسلے میں بیرونی سرمایہ کاری کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں تاکہ ان وسائل توانائی سے ان نو آزاد ریاستوں کے جلد استفادے کی راہ مسدود کی جائے اور ثانیاً انہیں وسائل توانائی کی اپنی موجودہ پیداوار کی ترسیل روسی علاقوں میں پہلے سے موجود پائپ لائنوں کے ذریعے جاری رکھنے پر مجبور کیا جائے اور یوں آزاد دنیا تک ان وسائل توانائی کی ترسیل پر روس کی اجارہ داری برقرار رکھی جائے۔ ثالثاً اگر روسیوں کو ان وسائل توانائی کے اخراج اور بیرونی منڈیوں تک ان کی ترسیل کے لیے بیرونی سرمایہ کاری کے منصوبوں کو بوجوہ قبول بھی کرنا پڑتا ہے تو وہ بغیر حقیقی سرمایہ کاری کیے اپنی برتر پوزیشن کا استعمال کرتے ہوئے ان میں اپنا حصہ [بھتہ] مخصوص کرنے پر مقامی حکومتوں کو مجبور کر دیتے ہیں۔

وسائل توانائی میں سرمایہ کاری اور پائپ لائنوں کی گزرگاہوں کا تعین: کشمکش کے دو اور مظاہر

درج بالا تناظر میں ۱۹۹۱ء میں سوویت انہدام کے بعد سے ایک طرف تو ان نو آزاد ریاستوں اور رشین فیڈریشن کے مابین کشمکش جاری ہے اور دوسری طرف ان ریاستوں میں وسائل توانائی کی ترقی و اخراج کے حقوق اور بیرونی منڈیوں تک ان کی ترسیل کے لیے نئی پائپ لائنوں کی تعمیر کے ٹھیکوں کے حصول کے لیے بیرونی سرمایہ کار کمپنیوں کے درمیان معرکہ آرائیاں زوروں پر ہیں۔ ایک تیسرا عامل جو اس پیچیدہ کشمکش کی مزید پیچیدگی کا سبب بن رہا ہے وہ مجوزہ نئی پائپ لائنوں کی گزرگاہوں سے متعلق خود خطے کی ریاستوں، اس کے پڑوسی ممالک اور مغربی ممالک و مغربی سرمایہ کار کمپنیوں کے مواقف میں تفاوت اور اس سلسلے میں ان کے مفادات میں ٹکراؤ ہے۔ مثلاً امریکیوں اور دیگر مغربی ممالک کی کوشش ہے کہ خطے کے وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے مجوزہ نئی پائپ لائنیں نہ صرف روس اور خطے کے پڑوس میں واقع ''سیلانی'' اور ''سرکش'' (جیسے ایران اور افغانستان) ممالک سے ماوراء علاقوں میں تعمیر کی جائیں بلکہ ان کی گزرگاہیں (روٹ) دوست ممالک (جیسے ترکی، جارجیا وغیرہ) کے علاقوں پر مشتمل ہونی چاہئیں تاکہ ان پائپ لائنوں کے ذریعے مغرب تک خطے کے وسائل توانائی کی (ہر قسم کے حالات میں) بلا روک ٹوک ترسیل کو یقینی بنایا جاسکے۔ اس کے برعکس خطے کے ممالک کی اولین ترجیح اپنے وسائل توانائی کو مختصر ترین راستے سے کھلے سمندروں تک پہنچانا ہے۔ چنانچہ وہ مغربی مفادات کے حامل ان مجوزہ روٹوں کے بجائے، جو طویل ترین فاصلوں پر مشتمل ہیں، ایک ایسے روٹ کی تلاش میں ہیں جو خطے کی تمام ریاستوں کے وسائل توانائی کو مشترکہ طور پر مختصر ترین فاصلے پر واقع کھلے سمندر تک پہنچا سکے۔

پائپ لائنوں کے ان مجوزہ روٹوں پر تنازعہ ایک ایسی کشمکش کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں بظاہر حلیف ممالک بھی ایک دوسرے کے حریف کے طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ پاکستان، ایران اور ترکی نہ صرف حلیف ممالک ہیں بلکہ وہ تنظیم برائے اقتصادی تعاون (ای سی او) کے بانی ممبر ممالک ہیں جس میں اب افغانستان، نو آزاد پانچ وسط ایشیائی ریاستیں اور آذربائیجان بھی شامل کر لیے گئے ہیں، تاہم مجوزہ پائپ لائنوں کے روٹوں کے معاملے میں بظاہر ان کے مفادات میں بھی ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ ایران چونکہ خود بحیرہ خذر کا ساحلی ملک ہے اس لیے وہ اپنی سرزمین کو نئی پائپ لائنوں کے لیے بہترین گزرگاہ سمجھتا ہے۔ ایرانیوں کی سادہ سی دلیل یہ ہے کہ "ان کے ہاتھ بحیرہ خذر (کیسپیئن) میں ہیں اور انکی ٹانگیں خلیج میں ہیں"[۹]۔ چنانچہ وہ خذر کے سواحل پر واقع ترکمن، قازق اور آذری وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے ایران کے راستے خلیج تک پائپ لائنوں کی تعمیر کے خواہاں ہیں۔ ترکی اور یورپ تک ان وسائل توانائی کی ترسیل کے لیے بھی ایرانی اپنے علاقوں سے ترکی تک پائپ لائن کی تعمیر کے لیے کوشاں ہیں۔ اس سلسلے میں ایرانیوں کو ابتدائی کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں[۱۰]۔ بعض مغربی ممالک بھی (ایران کے خلاف عائد امریکی پابندیوں کے باوجود) ایران کے راستے پائپ لائنوں کی تعمیر کی حمایت کرنے لگے ہیں[۱۱]۔ ایران سے ترکی تک بچھائی جانے والی مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر کے لیے تین یورپی کمپنیوں نے ایک کنسورشیم تشکیل دیا ہے جس میں اٹلی کی سنام پروگیٹی، فرانس کی گیس ڈی فرانس اور ہالینڈ کی رائل ڈچ شیل شامل ہیں۔ ایران میں تیل اور گیس کی ترسیل کے بنیادی ڈھانچے کی پہلے سے موجودگی اور وسطی ایشیا سے خلیج اور یورپ تک نسبتاً مختصر فاصلے پر گزرگاہ فراہم کرنے کے ایرانی محل وقوع کی بنا پر، نیز افغان خانہ جنگی کے استمرار کے پیش نظر، مغربی تیل کمپنیاں وسطی ایشیا اور قفقاز کے وسائل توانائی کی ترسیل کے لیے افغانستان- پاکستان راستے کے بجائے ایرانی روٹ کو ترجیح دیتی رہی

ہیں تاہم اب تک امریکی پابندیوں کے خوف کے باعث تیل اور گیس کی مغربی کمپنیاں ایران کے راستے پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کی تجاویز قبول کرنے سے ہچکچاتی رہی ہیں[۱۲]۔

ترکی بھی اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ یورپ تک بحیرہ خذر کے ساحلی ممالک کے وسائل توانائی کی ترسیل اس کی سرزمین سے ہو۔ ترکی واحد مسلمان ملک ہے جو ناٹو کا ممبر ہے اور یہاں کے حکمران حلقوں کی سیکولر طرز سیاست، مغربی طرز جمہوریت اور منڈی کی آزاد معیشت سے مضبوط وابستگی ایسے عوامل ہیں جن کی بنا پر امریکہ اور مغرب یہ سمجھتے ہیں کہ ترک علاقوں سے گزرنے والی پائپ لائنیں ان کے مفادات کے تحفظ میں انتہائی مؤثر کردار ادا کریں گی[۱۳]۔ ترکی کے راستے بحیرہ خذر کے وسائل توانائی کی ترسیل کو یقینی بنانے کے لیے ایک تجویز یہ ہے کہ باکو سے جارجیا کے راستے بحیرہ اسود کی بندرگار سپسا تک پائپ لائنیں بچھائی جائیں اور وہاں سے ٹینکروں کے ذریعے انہیں بحیرہ اسود اور باسفورس کے ترک علاقائی پانیوں کے راستے یورپ تک ان کی ترسیل ہو۔ متعدد وجوہات کی بنا پر خود ترکوں کے لیے یہ منصوبہ قابل قبول نہیں ہے۔ ترک حکام کے مطابق ''ابنائے باسفورس میں ٹریفک کا پہلے ہی اتنا اژدحام ہے کہ وہ مزید ٹینکروں کی ٹریفک کو برداشت نہیں کر سکے گا''۔

ترکوں کی ترجیح قازقستان سے ترکمنستان تک اور وہاں سے بحیرہ خذر کی تہہ میں باکو تک اور پھر باکو سے ترکی کے بحیرہ روم پر واقع بندرگاہ جیحان تک ایک بڑی پائپ لائن کی تعمیر ہے جس کے ذریعے بیک وقت تینوں ممالک کے وسائل توانائی کی یورپ تک ترسیل کی جاسکے گی[۱۴]۔ یہ پائپ لائن بھی ترکی میں داخل ہونے سے قبل جارجیا سے گزرے گی۔ اس پائپ لائن کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ ترکی میں یہ کرد علاقوں سے گزرے گی جہاں خانہ جنگی اور بدامنی کی بنا پر اولاً اس پائپ لائن کی تعمیر میں مشکلات پیش آئیں گی اور ثانیاً اس کی حفاظت اور نگہداشت بھی ایک مسئلہ بن سکتی

ہے[15]۔ واضح رہے کہ اولاً الذکر پائپ لائن (باکو- سپسا) کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور ۱۷ اپریل ۱۹۹۹ء کو اس کا افتتاح بھی ہو گیا ہے[16]۔

چین اور روس بھی مجوزہ پائپ لائنوں کا رخ اپنی طرف موڑنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ یکم اگست ۱۹۹۷ء کو چین کی نیشنل پٹرولیم کارپوریشن (CNPC) نے مغربی قازقستان میں واقع ملک کے دوسرے بڑے آئل فیلڈ ''اوزون آئل فیلڈ'' کو ترقی دینے کا ٹھیکہ حاصل کیا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس آئل فیلڈ کو ترقی دینے اور یہاں سے تیل کی برآمد کے حقوق کے سلسلے میں جو ٹینڈر ہوئے ان میں امریکی تیل کمپنی آمکو (OMOCO) اور ملائشیا کی ''پٹرون گیس'' اور امریکی کمپنی ''یونوکال'' پر مشتمل ایک کنسورشیم نے بھی حصہ لیا تھا۔ چین کی (CNDC) نے ان دونوں حریفوں سے زیادہ بولی دے کر ازون آئل فیلڈ کو ترقی دینے اور یہاں سے تیل برآمد کرنے کے حقوق حاصل کر لیے۔ اس منصوبے میں چین ۶۰ فیصد حصص کا مالک ہوگا اور وہ ابتدائی طور پر ایک بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا۔

اس سے قبل جون ۱۹۹۷ء میں چین نے ایک اہم کامیابی اس وقت حاصل کی جب (CPNC) نے مغربی قازقستان میں ہی واقع ''اکتیوبنسک نفط'' آئل فیلڈ کے پروڈکشن ایسوسی ایشن کے ۶۰ فیصد حصص خرید لیے۔ سمجھوتے کی رو سے بیجنگ اس آئل فیلڈ میں ۴ء۳ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا۔ اس سودے کے نتیجے میں چین کو اکتیوبنسک کے چھ سو ملین ٹن تیل اور دو سو بیس بلین مکعب فٹ گیس کے ذخائر تک رسائی حاصل ہو گئی ہے۔ قازقستان کے تیل اور گیس کے ذخائر تک رسائی کی چینی کوششوں کی پشت پر پائپ لائن کا وہ چینی منصوبہ ہے جس کی رو سے قازقستان کے ان ذخائر سے سنجیانگ (چین) تک تین ہزار کیلومیٹر طویل پائپ لائن تعمیر کی جائے گی۔ چینی بعد میں اس پائپ لائن کو جاپان تک توسیع دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

چینیوں کی طرف سے بحیرہ خذر کے سواحل کے ان وسائل توانائی تک رسائی کی کوششوں

میں توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ قازق حکام اور صدر نور سلطان نذر بائیف نے امریکی کمپنیوں کے بالمقابل چینی کمپنی سے اشتراک کو ترجیح دی۔ قازقستان نہ صرف اپنے اس دیوہیکل پڑوسی (چین) کے ساتھ قریبی تعلقات کے قیام کا خواہاں ہے بلکہ وہ بیرونی سرمایہ کاری میں ''تنوع'' کی حکمت عملی پر گامزن ہے۔ کسی ایک ملک (جیسے امریکہ) یا کسی ایک بلاک (جیسے مغرب) کے نام ملک میں سرمایہ کاری کے ''جملہ حقوق محفوظ کرنے'' کے ممکنہ خطرناک نتائج سے قازق قیادت بچنا چاہتی ہے۔

دوسری طرف بیجنگ نہ صرف اپنے مغربی سرحدات کو مضبوط اقتصادی تعلقات کے قیام کے ذریعے محفوظ بنانا چاہتا ہے (سنجیانگ میں اسلامی بیداری کی لہر کے پیش نظر بیجنگ اپنی مغربی سرحدات کے تحفظ کو خصوصی اہمیت دیتا ہے)، بلکہ وہ قازقستان اور بحیرہ خذر کے دیگر ساحلی ممالک کے وسائل توانائی پر مکمل امریکی اور مغربی اجارہ داری کی روک تھام کرنا چاہتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ چین کی طرف سے بحیرہ خذر کے سواحل پر آباد وسط ایشیائی اور قفقازی ریاستوں تک رسائی کی کوششیں اس کی قومی سلامتی سے مربوط ہیں[۱۷]۔ چین نے قازقستان سے ترکمنستان اور ایران کے راستے خلیج فارس تک مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر کے منصوبے میں سرمایہ کاری کرنے میں بھی دلچسپی دکھائی ہے۔ اگر اس مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر میں بھی سرمایہ کاری کی چینی کوششیں کامیاب ہوتی ہیں تو بیجنگ کو خطے کی پائپ لائن سیاست میں ایک اہم کھلاڑی کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔ قازق سرکاری اہل کاروں کے مطابق بیجنگ اس پائپ لائن منصوبہ میں سنجیدگی سے دلچسپی لے رہا ہے[۱۸]۔

ماسکو اگرچہ اس خطے کا سابقہ آقا ہے، اور تاہنوز عسکری لحاظ سے وہ خطے کی برتر طاقت بھی ہے تاہم خطے کے وسائل توانائی پر تسلط اور اجارہ داری کے لیے جاری اس کشمکش میں (ابتدائی سالوں کے برعکس) اب اسے ایک کمزور فریق کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی قوت چالبازی (meneuvering power) کو مغرب کے عسکری اور سلامتی سے متعلق اداروں کی خطے میں براہ

راست سرگرمیوں کے نتیجے میں محدود سے محدودتر کردیا گیا ہے۔ بایں ہمہ، موجودہ مرحلے میں بھی، وہ ہر طرح سے کوشش کررہا ہے کہ ایک تو اس کے ''قریبی بیرون'' میں جاری اقتصادی سرگرمیوں میں اسے یکسر نظر انداز کرنے کے رجحان کی ہر ممکن روک تھام کی جائے اور دوسرے یہ کہ خطے کے وسائل توانائی میں (قابل ذکر سرمایہ کاری کیے بغیر) اس کی شراکت اور حصہ داری کو بہرصورت تسلیم کرایا جائے۔ ماسکو کا بس چلے تو وہ خطے کے وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے مجوزہ نئی پائپ لائنوں کی تعمیر کو یکدم مسترد کردے۔ چونکہ ایسا کرنا اس کے بس میں نہیں رہا ہے اس لیے وہ روسی سرزمین میں پہلے سے موجود پائپ لائنوں کی مناسب مرمت اور تجدید کے عمل میں مصروف ہے تا کہ کم از کم ہدف کو حاصل کیا جائے۔ اور وہ یہ کہ مجوزہ نئی پائپ لائنوں کے ساتھ ساتھ مستقبل میں روسی علاقوں سے گزرنے والی پائپ لائنیں بھی خطے کے وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے استعمال ہوتی رہیں۔

باکو سے گروزنی کے راستے بحیرہ اسود کی نوروسیسک بندرگاہ تک پہلے سے موجود پائپ لائن کی مرمت کردی گئی ہے۔ اور آذری تیل کی ترسیل کے لیے یہ پائپ لائن استعمال بھی ہورہی ہے۔ قازقستان کے تنگیز آئل فیلڈ سے روس کے مختلف علاقوں سے گزرتی ہوئی بحیرہ اسود کی روسی بندرگاہ نوروسیسک تک ایک اور پائپ لائن کی تعمیر پر کام شروع ہے۔ توقع ہے کہ یہ پائپ لائن سن ۲۰۰۰ء تک مکمل ہو جائے گی۔ اس پائپ لائن کے ذریعے روزانہ ۶ء املین بیرل قازق تیل کی ترسیل ہو سکے گی۔ ماسکو کی خواہش ہے کہ قازقستان کے تنگیز آئل فیلڈ کے ساتھ ایک نئی پائپ لائن کے ذریعے باکو کو ملادیا جائے۔ باکو کے بالکل سامنے بحیرہ خذر کے مشرقی کنارے ترکمنستان کے آئل فیلڈز ہیں۔ روسی چاہتے ہیں کہ ترکمنستان کے آئل فیلڈز سے ایک اور نئی پائپ لائن کی تعمیر ہو جو بحیرہ کی تہہ سے گزر کر باکو تک پہنچے۔ اس صورت میں ترکمنستان، آذربائیجان اور قازقستان تینوں ممالک کے تیل کی ترسیل قازقستان (تنگیز آئل فیلڈ) - نوروسیسک پائپ لائن کے ذریعے ہو

سکے گی۔ روسیوں نے یہ پیش کش بھی کی ہے کہ وہ باکو سے نوروسیسک تک موجودہ روسی پائپ لائن کے چیچنیا سے گزرنے والے حصے کے بجائے چیچنیا سے باہر کے روسی علاقوں میں (پائپ لائن کے ایک) بائی پاس ٹکڑے کی تعمیر کے ذریعے اس پائپ لائن میں تیل کی ترسیل کو محفوظ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ روسیوں نے آذربائیجان کو ایک اور پیشکش کی ہے جس کی رو سے باکو سے نوروسیسک تک دو بلین ڈالر کی لاگت سے ایک نئی بڑی پائپ لائن کی تعمیر کی جائے گی۔ بہرحال نہ تو آذری، قازق اور ترکمن روسی پائپ لائنوں پر انحصار کی روسی منطق سے متفق دکھائی دیتے ہیں اور نہ ہی آذری، قزاق اور ترکمن وسائل توانائی کے اخراج اور ترسیل کے لیے سرمایہ کاری کرنے والی بیرونی (اور خاص کر مغربی) کمپنیاں روسیوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار دکھائی دیتی ہیں[19]۔

روسیوں کی طرف سے نوآزاد ریاستوں کے وسائل توانائی کی بیرون ملک ترسیل کے لیے روسی پائپ لائنوں اور روسی سرزمین استعمال کیے جانے پر اصرار ان کی اس خواہش کا آئینہ دار ہے کہ ان وسائل توانائی پر ایک حد تک روسی گرفت کو برقرار رکھا جائے۔ روسیوں کو نہ صرف ان کی پائپ لائنوں کے استعمال کے بدلے کثیر رقوم پر مشتمل رائلٹی ملتی رہے گی بلکہ ماسکو مستقبل میں بوقت ضرورت ان پائپ لائنوں کو نہ صرف ان کے ذریعے تیل سپلائی کرنے والے اپنے ''قریبی بیرون'' کے ممالک بلکہ ان مغربی ممالک کے خلاف بھی بطور ہتھیار استعمال کر سکے گا جنہیں یہ تیل سپلائی کیا جا رہا ہوگا۔

بحیرہ خذر کے ان ساحلی ممالک کے وسائل توانائی پر مکمل تسلط کے حصول کی خواہش مند بیرونی قوتوں میں مغربی ممالک اور امریکہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مغرب اور امریکہ نہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان نوآزاد ریاستوں کے وسائل توانائی کی ترسیل کے لیے پائپ لائنیں ان کے حلیف ممالک کی سرزمین سے گزاری جائیں بلکہ وہ ان وسائل پر براہ راست تسلط اور ان کی پیداوار اور ترسیل کے نظام پر مکمل اجارہ داری کو یقینی بنانے کے لیے نوآزاد ریاستوں میں تیل اور

گیس کی تلاش اور یہاں پہلے سے موجود تیل اور گیس فیلڈز کی ترقی سے متعلق منصوبوں میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری میں مصروف ہیں۔ یہاں پائے جانے والے تیل اور گیس کے وسیع ذخائر کی بدولت بحیرہ خذر کا ساحلی علاقہ - آذربائیجان، ترکمنستان اور قازقستان - یورپ کے لیے انتہائی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔

قازقستان میں، جو قدرتی گیس اور تیل کے علاوہ سیسہ، جست اور کرومیم کے معدنی ذخائر سے بھی مالا مال ہے، امریکی کمپنی شیوران تنگیز آئل فیلڈ کو ترقی دینے میں مصروف ہے۔ اس آئل فیلڈ سے شیوران نے تیل نکالنا بھی شروع کر دیا ہے۔ اگرچہ اس آئل فیلڈ سے نکالے جانے والے تیل کی ترسیل شیوران کے لیے ایک عرصہ تک مسئلہ بنی رہی کیونکہ روسی علاقوں میں بحیرہ اسود کی روسی بندرگاہ نوروسیسک تک تعمیر کی جانے والی مجوزہ پائپ لائن پر روسی اعتراضات کی بنا پر ۱۹۹۷ء تک کام شروع نہیں کیا جا سکا۔ ۱۹۹۷ء میں شیوران کی طرف سے روس کو چھبیس فیصد حصص دینے پر رضامندی کے بعد کیسپین پائپ لائن کنسورشیم کے نام سے امریکہ کی شیوران کمپنی، موبل، روس کی لوک آئل، قازقستان کی سٹیٹ آئل کمپنی اور بعض دیگر کمپنیوں نے حکومت قازقستان کے ساتھ دو بلین ڈالر کی لاگت سے قازقستان سے نوروسیسک تک اس مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر کے معاہدہ پر دستخط کر دیے ہیں[۲۰]۔ واضح رہے کہ شیوران نے مئی ۱۹۹۲ء میں تنگیز آئل فیلڈ کو ترقی دینے اور یہاں سے تیل نکالنے کے حقوق کے لیے حکومت قازقستان کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کیے تھے[۲۱]۔

قازقستان کے اکتوبنسک آئل فیلڈز کو ترقی دینے اور اس سے تیل نکالنے کے لیے حکومت قازقستان نے فرانسیسی تیل کمپنی الف اکویٹانس کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے۔ قازقستان ہی کے کراچاگانگ آئل فیلڈز میں برطانیہ کی برٹش گیس اور آٹلی کی اجیپ کمپنیاں مصروف عمل ہیں۔ بحیرہ خذر کے شمال میں واقع قازق سواحل میں تیل اور گیس کی تلاش کا کام برٹش پٹرولیم، سٹیٹ

آئل، برٹش گیس، اجیپ اور شیل پر مشتمل کمپنیوں کے ایک کنسورشیم کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کنسورشیم کے ساتھ حکومت قازقستان نے ۱۹۹۳ء میں معاہدہ پر دستخط کیے تھے[۲۲]۔

آذربائیجان میں بھی مغربی کمپنیاں تیل اور گیس کی تلاش کے کام میں مصروف ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۴ء میں حکومت آذربائیجان نے مغربی تیل کمپنیوں کے ایک کنسورشیم کے ساتھ بحیرہ خذر کے آذربائیجانی سواحل اور بحیرہ کی تہہ میں تیل اور گیس کی تلاش، اخراج اور تین آئل فیلڈز کو ترقی دینے سے متعلق ۷ء۴ بلین ڈالر کے ایک سمجھوتے پر دستخط کیے۔ اس سمجھوتے کی میعاد تیس سال ہے اور اس کی رو سے اندازاً ۵۱۰ ملین ٹن تیل آذری آئل فیلڈز سے نکالا جائے گا جس میں آذربائیجان کا حصہ ۲۵۳ ملین ٹن ہو گا۔ مذکورہ کنسورشیم میں آذربائیجان کی سرکاری تیل کمپنی کے علاوہ برٹش پٹرولیم، آمکو، لوک آئل، میکڈرموٹ، پنس آئل اینڈ ریمکو، سٹیٹ آئل، یونوکال، ترکش سٹیٹ آئل کمپنی اور اکسکون شامل ہیں[۲۳]۔ گو بحیرہ خذر کے ترکمن سواحل میں تیل اور گیس کی تلاش اور آئل و گیس فیلڈز کو ترقی دینے کے عمل میں روسی، ارجنٹائنی اور ایرانی کمپنیاں مصروف ہیں، تاہم یہاں بھی گیس اور تیل کی ترسیل کے نظام پر تسلط کے لیے امریکی اور مغربی کمپنیاں مصروف عمل ہیں[۲۴]۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا بحیرہ خذر کے سواحل کی نو آزاد ریاستوں کے وسائل توانائی پر تسلط اور اجارہ داری کے لیے امریکہ اور مغربی ممالک کی سرگرمیاں دو جہتی ہیں۔ وہ ایک طرف تو سرمایہ کے زور پر ان وسائل کی تلاش اور اخراج کے عمل پر گرفت مستحکم کرنے کے لیے کوشاں ہیں اور دوسری طرف ان کی ترسیل کے نظام (پائپ لائنوں) پر بھی کنٹرول کے لیے زبردست تگ و دو میں مصروف ہیں۔ مغرب اور امریکہ کی کوشش ہے کہ قازقستان، ترکمنستان اور آذربائیجان کے تیل و گیس کی ترسیل کے نظام کو آپس میں مربوط کر کے پائپ لائنوں کے ایک ایسے متحدہ نظام سے

منسلک کیا جائے جو حتی الامکان روس اور دیگر ''سیلانی اور سرکش'' مسلم ممالک (جیسے ایران اور افغانستان) سے ماوراخطوں میں تعمیر کی جائیں تاکہ مغرب تک ان وسائل توانائی کی بلا روک ٹوک ترسیل کو یقینی بنایا جاسکے۔

خطے سے متعلق مغرب وامریکہ کے سیاسی اور ستراتیجی اہداف

ان نوآزاد ریاستوں کے اقتصادی ڈھانچوں پر تسلط کے ذریعے مغرب اور خاص کر امریکہ خطے میں اپنے سیاسی اور ستراتیجی اہداف کے حصول کو بھی یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ بقول امریکی سینیٹر سام براؤن بک:

> "I believe we have lost valuable time ... the geographical location of these countries puts them in a precarious position and if we do not act soon, we may find that we are too late to take advantage of a unique opportunity".
>
> ''میرا خیال ہے ہم نے بہت قیمتی وقت ضائع کر دیا ہے... ان ممالک کے جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر وہ ایک نازک اور غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہیں۔ اگر ہم جلد اقدام نہیں کریں گے تو ایک دن ہمیں احساس ہوگا کہ ہم نے ایک نادر ونایاب موقع گنوادیا ہے''[۲۵]۔

ان نوآزاد ریاستوں میں مغرب وامریکہ کے سیاسی اور ستراتیجی مفادات میں ''خطے کو دہشت گردی کی جائے پرورش نہ بننے دینا'' اور یہاں ''مذہبی اور سیاسی انتہاپسندی کے رجحانات کی روک تھام'' کو اولین مقام حاصل ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے امریکیوں نے خاص کر خطے میں غیر سرکاری تنظیموں (NGO's) کی افزائش کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ''تنظیم برائے دفاع حقوق نسواں''، ''ینگ لائرز ایسوسی ایشن'' اور ''ایسوسی ایشن آف یوتھ لیڈرز'' جیسی لاتعداد غیر

سرکاری تنظیمیں امریکی امداد اور اعانت سے خطے میں مغربی اور امریکی مفادات کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں[۲۶]۔

واشنگٹن ان نو آزاد ریاستوں کو ''مغرب مخالف انتہا پسندانہ جذبات اور رویوں'' کے جنوب سے شمال کی طرف پھیلنے کی روک تھام میں ایک مؤثر قوت کے طور پر بڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ امریکی خارجہ پالیسی میں ان نو آزاد ریاستوں کو مغرب اور اسرائیل کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنے پر مجبور کرنے کے عمل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بقول سینیٹر سام براؤن بک ''ہمیں مغرب کے لیے قفقاز [اور وسطی ایشیا] کے دروازے کھلے رکھنے کی غرض سے ہر ممکن اقدام اٹھانے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ ہماری سلامتی کے لیے بے انتہا اہمیت کا حامل مسئلہ ہے''[۲۷]۔

واشنگٹن مستقبل میں ان ممالک کو روس (اور ''مسلم بنیاد پرستی'') کے خلاف متبادل طاقت کے طور پر استعمال کرنے کی منصوبہ بندیوں میں مصروف ہے۔ اس سلسلے میں واشنگٹن کی خصوصی توجہ کا مرکز ازبکستان ہے۔ سینیٹر براؤن کے بقول ''ازبکستان روسی دباؤ سے ایک حد تک آزاد دکھائی دیتا ہے، اس نے جارحانہ انداز میں مغرب نواز اور امریکہ نواز پالیسیاں اختیار کی ہیں، نیز اس نے پورے اعتماد کے ساتھ ماسکو کے استعماری عزائم کو دھتکار دیا ہے''[۲۸]۔ امریکیوں نے ازبکستان کے دارالحکومت تاشقند میں امریکن بزنس سنٹر قائم کیا ہے۔ اس سنٹر کے اندازوں کے مطابق صرف ۱۹۹۷ء میں ساٹھ کے قریب امریکی کمپنیوں نے ازبکستان میں ۳ بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کرنا تھی۔ ۱۹۹۵ء-۱۹۹۶ء میں امریکہ اور ازبکستان کی باہمی تجارت میں آٹھ گنا اضافہ ریکارڈ کیا گیا[۲۹]۔ تاجکستان اور افغانستان کی خانہ جنگیوں میں ازبک صدر کے کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تاشقند میں متعین ایک مغربی سفارت کار نے کہا تھا: ''کریموف نے اپنے بالادست علاقائی کردار کا بہترین مظاہرہ کر دیا ہے''[۳۰]۔

امریکہ اور مغرب ان نوآزاد ریاستوں میں سیکولر طرز سیاست، مغربی طرز کے ''لبرل ازم'' اور آزادی اور جمہوری اقدار کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ خطے میں سیاسی اثر و نفوذ کے حصول کے لیے امریکہ اور مغرب نہ صرف ان نوآزاد ریاستوں کو ''میلیٹنٹ اسلامزم''، ''سیاسی اسلام'' اور ''اسلامی بنیاد پرستی'' جیسے ''منفی'' رجحانات سے بچانا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ انہیں ترکی کی طرح ان ''منفی اور تخریبی'' رجحانات کے بالمقابل لاکھڑا کرنا بھی ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ وہ ان نوآزاد ریاستوں میں مغربی طرز کی کثرت پسند سوسائٹیوں (pluralistic societies) کے قیام کے خواہش مند ہیں۔ جمہوریت اور آزاد منڈی کی معیشت پر مشتمل مغربی اقتصادی اور سیاسی نظاموں کے فروغ کے ذریعے خطے کے مستقبل کو مغرب سے وابستہ کرنا بھی خطے سے متعلق امریکی اور مغربی اہداف میں شامل ہے۔

خطے سے متعلق امریکہ اور مغرب کے ان پالیسی ترجیحات کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے غیر سرکاری تنظیموں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ بھرپور سرمایہ کاری اور مربوط کاروباری سرگرمیوں کو بطور ذریعہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ امریکیوں کے مطابق ''خطے میں امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی سرمایہ کاری ان ریاستوں کی آزادی اور استقلال کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی''۔ مقتدر امریکی حلقوں کا خیال ہے کہ ''امریکی حکومت کو ان امریکی کمپنیوں کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیے جو پہلے ہی سے خطے میں سرمایہ کاری کر چکی ہیں''۔ ان کے مطابق ''[واشنگٹن کو] خطے میں ترقیاتی منصوبہ بندیوں کی تشکیل، ان کی تکمیل کے لیے سرمایہ کی فراہمی، اتصالات کے انفراسٹرکچر کی تعمیر نو، مواصلات اور توانائی کے شعبوں میں تجدید، سڑکوں، ریلوے لائنوں، بندرگاہوں، ٹیلی مواصلات کے نیٹ ورک اور پائپ لائنوں کی تعمیر میں مصروف امریکی کمپنیوں اور سرمایہ کاروں کی پوری مستعدی سے مدد کرنا ہوگی''[۳۱]۔ امریکیوں کو خطے میں سرگرم امریکی کمپنیوں کی مدد کیوں کرنی چاہیے؟ اس لیے کہ ''خطے میں [مغربی اور امریکی] تجارتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی [جمہوری

حکومتوں کے قیام سے متعلق] ہدف کے حصول میں مددگار ثابت ہوگی کیونکہ سیاسی اثر و نفوذ اور سیاسی تبدیلیوں کا حصول مربوط اقتصادی سرگرمیوں کے ذریعے سے ہی ممکن ہے"[۳۲]۔

خطے سے متعلق مغرب اور امریکہ کے ان پالیسی اہداف کے حصول کے لیے امریکہ اور یورپی یونین ۱۹۹۲ء کے بعد سے مربوط منصوبہ بندیوں میں مصروف رہے ہیں۔ مئی ۱۹۹۳ء میں یورپی یونین اور آٹھ سابق سوویت ریاستوں نے برسلز میں ٹریسیکا پروجیکٹ پر دستخط کیے۔ اس پروجیکٹ کا مقصد نئی شاہراؤں، ریلوے لائنوں کی تعمیر اور بحری راستوں کی دریافت کے ذریعے خطے کی یورپ تک رسائی کے لیے روس کی روایتی تجارتی گزرگاہ کے متبادل تلاش کرنا ہے۔ عالمی بینک سمیت لندن میں قائم یورپی بینک اور تعمیر و ترقی کے دیگر عالمی ادارے خطے سے ایندھن (تیل وگیس) کی یورپ و امریکہ تک ترسیل کے ذرائع کی تعمیر کے لیے قرضوں کی فراہمی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ خاص طور پر پلوں کی تعمیر، رولنگ سٹاک اور ائر ٹریفک کنٹرول نظاموں کو ترقی دینے پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ جارجیا میں اور بحیرہ خذر کے دونوں جانب یوریشیائی کوریڈور کی تعمیر کی غرض سے بندرگاہوں کو از سرنو تعمیر کیا جا رہا ہے تاکہ وسطی ایشیا اور قفقاز کی بند سرزمین کو اس کوریڈور کے ذریعے یورپ تک براہ راست رسائی حاصل ہو جائے[۳۳]۔

گو امریکی کمپنیاں نو آزاد ریاستوں کے وسائل توانائی پر تسلط کی دوڑ میں شروع سے ہی شریک رہی ہیں تاہم امریکی حکومت ایک عرصہ تک وسطی ایشیا کے بارے میں آزادانہ خارجہ پالیسی تشکیل دینے میں ناکام رہی۔ درحقیقت سوویت یونین کے زوال کے فوری بعد کے عرصہ میں امریکی حکومت سابق سوویت ریاستوں سے متعلق روسی حساسیت کو مجروح کرنے سے کتراتی رہی۔ امریکیوں نے عملاً روسیوں کی یہ منطق تسلیم کر لی تھی کہ سابق سوویت ریاستیں رشین فیڈریشن کے اثر و نفوذ کا علاقہ ہیں۔ اسی عرصہ میں روسی خارجہ پالیسی میں "نظریہ قریبی بیرون" متعارف

کرایا گیا جس کے تحت نو آزاد سابق سوویت ریاستوں کو نہ صرف روسی اثر ونفوذ کا خطہ قرار دیا گیا بلکہ بین الاقوامی برادری (اور خاص کر مغرب و امریکہ) کی طرف سے اس خطے میں روس کے اقتصادی، سیاسی اور عسکری مفادات کے تحفظ کی غرض سے ماسکو کے حق مداخلت کو تسلیم کرنے پر بھی زور دیا گیا۔ ماسکو کے اسی نظریہ قریبی بیرون کے تناظر میں سوویت انہدام کے فوری بعد کے عرصہ میں خطے سے متعلق امریکی پالیسی ماسکو پر مرتکز (Moscow centred) رہی ہے۔ اس دوران میں واشنگٹن کو خطے میں اسلامی بنیاد پرستی اور احیاء اسلام سے متعلق لاحق خطرات کے مؤثر تدارک کے لیے ماسکو کی بطور حلیف ضرورت تھی۔ جونہی واشنگٹن نے یہ محسوس کیا کہ نو آزاد ریاستوں میں سابق کمیونسٹ لادین عناصر کی مقامی حکومتوں پر گرفت مستحکم ہوگئی ہے، اس نے خطے سے متعلق اپنی خارجہ پالیسی میں تبدیلیاں متعارف کرانا شروع کر دیں۔

خطے سے متعلق امریکی خارجہ پالیسی کے ابتدائی دور میں ہی واشنگٹن کے پایہ اول کے پاور بروکر خطے کی حکومتوں اور یہاں مصروف کار امریکی تیل کمپنیوں کے لیے کام کرنے کی غرض سے نو آزاد ریاستوں کی دارالحکومتوں میں وارد ہو گئے تھے۔ امریکہ کے سابق وزیر دفاع ڈک چینی، سابق وزراء خزانہ للوئڈ بینٹسن اور جان سونونو (جو صدر جارج بش کے چیف آف سٹاف بھی رہے ہیں) اور امریکہ کی قومی سلامتی کے سابق مشیر زبگنیف بریزنسکی نو آزاد ریاستوں میں امریکہ اور امریکی کمپنیوں کے لیے لابی کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ بریزنسکی جواَب امریکی کمپنی آ ملکو کے مشیر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، امریکہ کی وزیر خارجہ مادام میڈلین البرائٹ کے عرصہ دراز سے اتالیق (mentor) رہے ہیں۔ بریزنسکی پچھلے کئی برسوں سے وائٹ ہاؤس کو خبردار کرتے رہے ہیں کہ ''وہ خطے کو روسیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر زبردست غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے''۔[۳۴]

ان مؤثر امریکی شخصیات کی کوششوں کے نتیجے میں خطے سے متعلق امریکی خارجہ پالیسی میں

تبدیلی کا عمل شروع ہوا۔ امریکی خارجہ پالیسی میں اس تبدیلی کا واضح اظہار اس وقت ہوا جب ۲۸ جولائی ۱۹۹۷ء کو امریکی انتظامیہ نے ولیم کورنٹے کو روس، یوکرین اور دیگر یوریشیائی ریاستوں سے متعلق معاملات کے لیے صدر کلنٹن کا معاون خصوصی مقرر کیا۔ اس سے قبل نائب وزیر خارجہ سٹروب ٹالبوٹ یوریشیائی امور کے ذمہ دار تھے۔ ٹالبوٹ کے برعکس کورنٹے وسطی ایشیا میں ماسکو نواز پالیسیوں کو خیرباد کہنے کے علمبردار ہیں[۳۵]۔ کورنٹے کی اس تعیناتی کے بعد امریکیوں نے بحیرہ خذر کے ساحلی ریاستوں کے سربراہان کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا۔ آذربائیجان کے صدر حیدر علییف اور ترکمنستان کے صدر نیازوف کو بالترتیب ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء میں ان کے دورہ واشنگٹن کے دوران زبردست پذیرائی بخشی گئی[۳۶]۔ حالیہ برسوں میں واشنگٹن کی خارجہ پالیسی میں ان نو آزاد ریاستوں کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ امریکی اب بڑے زور و شور سے ان نو آزاد ریاستوں میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ واشنگٹن اب اس خطے کے ساتھ براہ راست تجارتی روابط کا خواہش مند ہے اور لگتا ہے کہ اب وہ کسی بھی صورت میں قفقاز اور وسطی ایشیا کی ان ریاستوں سے بے اعتنائی برتنے کا متحمل نہیں ہے۔

اگست ۱۹۹۸ء میں امریکی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ اور امریکی دفتر خارجہ کے سینئر اہل کاروں کو سی آئی اے کی طرف سے فل ڈریس بریفنگ دی گئی۔ اس بریفنگ کے بعد میڈلن البرائٹ نے کہا کہ خطے کے مستقبل کی ساخت متعین کرنے کے لیے کام کرنا ''ہمارے لیے ایک مسرت انگیز تجربہ ہوگا''[۳۷]۔ واضح رہے کہ امریکی سراغرساں ایجنسی ''سی آئی اے نے خطے کی سیاسی سرگرمیوں کو مانیٹر کرنے اور یہاں موجود قدرتی وسائل کی دولت کا اندازہ لگانے کے لیے ایک خفیہ ٹاسک فورس تشکیل دی تھی جس میں سی آئی اے کے افسران سمیت تجربہ کار پٹرولیم انجینئر شریک کیے گئے تھے۔ اس ٹاسک فورس کے ممبران نے [سیاحت کے لبادے میں] جنوبی روس، قازقستان، ترکمنستان اور آذربائیجان کے مطالعاتی اور تجزیاتی دورے کیے جن کے دوران انہوں

نے یہاں کے قدرتی وسائل کے ذخائر کے حجم اوران کی بیرونی (یورپی اورامریکی) منڈیوں تک ترسیل کے لیے ممکنہ بہترین گزرگاہوں سے متعلق رپورٹیں تیار کیں"۔ سی آئی اے کی مذکورہ فل ڈریس بریفنگ میں وزیرخارجہ اور دفتر خارجہ کے سینئر اہل کاروں کو اسی ٹاسک فورس کی رپورٹوں سے مطلع کیا گیا تھا۔

مجوزہ پائپ لائنیں اوران کی گزرگاہیں؟

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، بحیرہ خذر کے ساحلی ممالک کے قدرتی وسائل پراجارہ داری اور تسلط کی مسابقت میں ان وسائل توانائی کی بیرونی منڈیوں تک ترسیل کے لیے بچھائی جانی والی پائپ لائنوں کی ممکنہ گزرگاہوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ پائپ لائنیں جن ممالک اور علاقوں سے گزریں گی اولاً تو انہیں ان پائپ لائنوں کے لیے گزرگاہیں فراہم کرنے کے عوض ان کے ذریعے سپلائی کیے جانے والے تیل اور گیس کی آمدنی میں معقول حصہ ملے گا، جوان کی اقتصادی خوشحالی میں اہم کردارادا کرے گا۔ ثانیاً یہ ممالک بوقت ضرورت ان پائپ لائنوں کے ذریعے تیل اور گیس کی ترسیل میں رخنہ انداز ہونے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ چنانچہ اس پس منظر میں امریکہ اور دیگر سرکردہ مغربی ممالک کی سرتوڑ کوشش رہی ہے کہ یہ پائپ لائنیں روس، ایران اور دیگر غیر دوست ممالک کے علاقوں سے ماوراخطوں میں بچھائی جائیں۔ مغرب اورامریکہ کے لیے وسطی ایشیا اور ماوراءقفقاز کے اس خطے کو مسلسل ماسکو کے تابع فرمان رکھنے کے لیے روسیوں کی طرف سے اختیار کردہ تحکمانہ انداز زبردست پریشانیوں کا سبب بن رہا ہے۔ اگر اس خطے میں قدرتی وسائل کی فراوانی نہ ہوتی تو شاید نہیں یقیناً مغرب اورامریکہ کو کم از کم اس کے اقتصادی مستقبل سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ تازہ ترین اندازوں کے مطابق بحیرہ خذر کے ان ساحلی ریاستوں میں ۲۰۰ بلین بیرل تیل کے ذخائر موجود ہیں[۳۸]۔ بحیرہ خذر کے سواحل میں پائی جانے والی قدرتی گیس کے

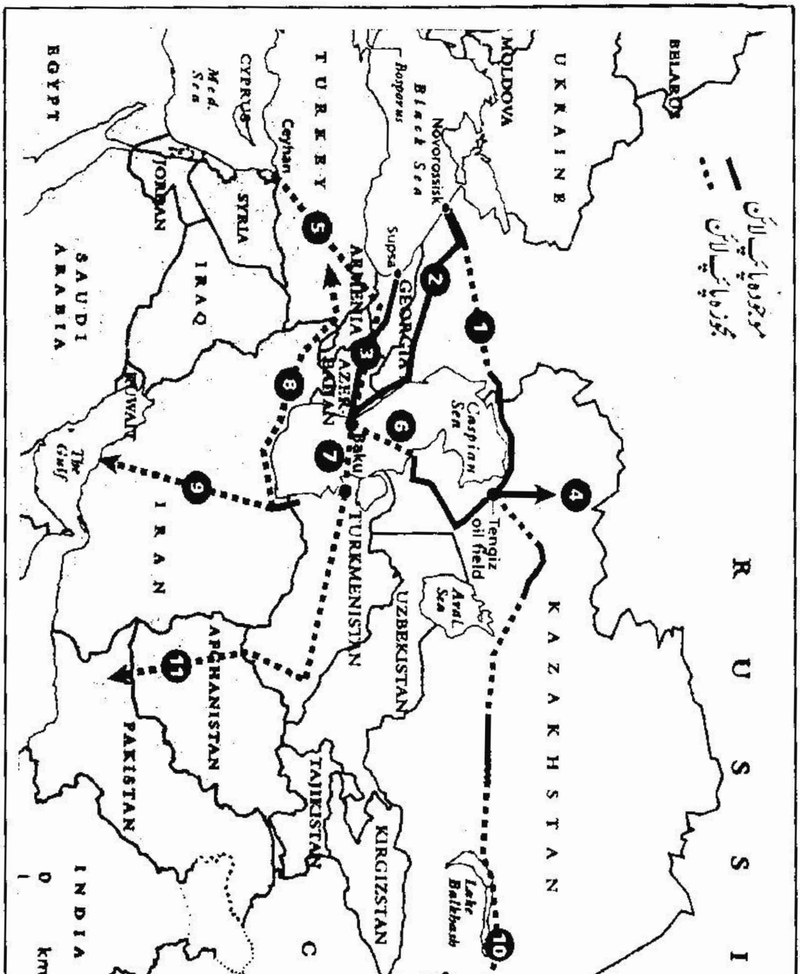

موجودہ پائپ لائن
مجوزہ پائپ لائن
RUSSIA
BELARUS
UKRAINE
MOLDOVA
Novorossisk
Black Sea
Bosporus
TURKEY
CYPRUS
Med. Sea
EGYPT
Ceyhan
SYRIA
JORDAN
Supsa
ARMENIA
GEORGIA
AZERBAIJAN
IRAQ
SAUDI ARABIA
KUWAIT
The Gulf
Caspian Sea
Baku
IRAN
Tengiz oil field
Aral Sea
TURKMENISTAN
UZBEKISTAN
KAZAKHSTAN
AFGHANISTAN
PAKISTAN
TAJIKISTAN
KIRGIZSTAN
Lake Balkhash
INDIA
CHINA
NEPAL
0 km 1,000
1
2
3
4
5
6
7
8
9
10
11

ذخائر (ابتدائی اندازوں کے مطابق) دوسو ترتالیس (۲۴۳) ٹریلین مکعب فٹ ہیں۔ مستقبل میں نئے کنوؤں کی دریافت کے نتیجے میں یہاں موجود تیل اور گیس کے ذخائر کا حجم کہیں بڑھ سکتا ہے[۳۹]۔ باور کیا جاتا ہے کہ اکیسویں صدی میں ایندھن کی ضروریات کی تکمیل میں خطے کے وسائل توانائی اہم کردار ادا کریں گے۔

ماضی قریب تک خطے کے وسائل توانائی کی عالمی منڈیوں اور خاص کر یورپ تک ترسیل روسی پائپ لائنوں تک محدود رہی ہے۔ اس وقت گیس کی صرف ایک پائپ لائن ایسی ہے (جو حال ہی میں تعمیر کی گئی ہے اور جس کا افتتاح دسمبر ۱۹۹۷ء میں ہوا)، جو ترکمن گیس فیلڈز کو ایرانی گیس پائپ لائن نیٹ ورکس سے ملاتی ہے اور جو خالصتاً ترکمن اور ایرانی علاقوں میں تعمیر کی گئی ہے[۴۰]۔ تیل کی سپلائی اور ترسیل کے لیے ایک ایسی نئی پائپ لائن کی تعمیر بھی مکمل ہو چکی ہے جو غیر روسی علاقوں میں بچھائی گئی ہے۔ یہ پائپ لائن باکو سے جارجیا کے بحیرہ اسود کی بندرگاہوں سپسا اور پوٹی تک بچھائی گئی ہے۔ اس پائپ لائن کا افتتاح ۱۷ اپریل ۱۹۹۹ء کو ہوا[۴۱]۔ باکو سے جارجیا کے دارالحکومت تبلیسی کے راستے سپسا اور پوٹی تک ایک ریلوے لائن کی تعمیر بھی مکمل ہو چکی ہے۔ اس ریلوے لائن کو بھی بوقت ضرورت تیل کی ترسیل کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔ مزید یہ کہ اس ریلوے لائن کے ذریعے یورپ کو آذربائیجان، قازقستان، آرمینیا اور جارجیا تک (روسی علاقوں کو عبور کیے بغیر) براہ راست رسائی حاصل ہو گئی ہے۔ سپسا اور پوٹی سے یوکرین کی بندرگاہ ایلیچووسک تک ریل فیری سروس کا افتتاح پہلے ہی ہو چکا ہے۔ ایلیچووسک سے یوکرین اور مولدووا کے راستے یورپ میں جرمنی تک زمینی ٹریفک کا نظام پہلے ہی موجود ہے۔ ۱۹۹۹ء کے اواخر تک ہیمبرگ (جرمنی) سے یریوان (ارمینیا) اور باکو (آذربائیجان) تک مال گاڑیوں کی باقاعدہ سروس شروع ہونے کی توقع ہے۔ واضح رہے کہ یہ مال گاڑیاں بحیرہ اسود کی یوکرینی بندرگاہوں سے جارجیا کی بندرگاہوں تک

بذریعہ ریل فیری پہنچیں گی اور وہاں سے ریلوے لائن کے ذریعے باکو اور یریوان کا رخ کریں گی[۴۲]۔

روسی ترکمنستان کو اپنی گیس روسی پائپ لائنوں کے ذریعے بحیرہ اسود کی روسی بندرگاہوں تک پہنچانے کی اجازت دینے سے انکار کرتے رہے ہیں۔ قازقستان کو کراچا گانگ گیس فیلڈ کی پیداوار روسیوں کو ان کی من مانی قیمتوں پر بیچنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس فیلڈ میں مصروف کار (برٹش گیس اور دیگر کمپنیوں پر مشتمل) کنسورشیم زبردست مشکلات سے دوچار ہے۔ قازقستان کے تنگیز آئل فیلڈ میں مصروف کار کنسورشیم (تنگیز شیور آئل) اس فیلڈ کی پیداوار کا نصف حصہ (ایک لاکھ *چھتر ہزار بیرل یومیہ) بذریعہ ٹرین بالٹک ریاستوں کو برآمد کرتا ہے۔ چنانچہ اس کنسورشیم کو روس اور جارجیا کی ریل کمپنیوں کو بہت بڑی رقم کرایوں کی مد میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ ۱۹۹۷ء کے اواخر سے اس آئل فیلڈ سے چین کو بھی ریل کاروں کے ذریعہ تیل کی سپلائی شروع ہو چکی ہے[۴۳]۔

خطے سے وسائل توانائی کی برآمد کی ان ہی مشکلات کے باعث پچھلے چند برسوں سے نئی پائپ لائنوں کی تعمیر کے مختلف منصوبے زیر غور ہیں۔ مجوزہ نئی پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کے دو پہلو ہیں۔ اگر خالصتاً تجارتی اور کاروباری مفادات کو مدنظر رکھا جائے تو ظاہر ہے خطے میں مصروف کار آئل کمپنیاں، مختلف کنسورشیم اور پائپ لائنوں کی تعمیر کے ٹھیکے لینے والی کمپنیاں مختصر ترین روٹ پر مشتمل پائپ لائنوں کی تعمیر کو ترجیح دیں گی۔ تاہم چونکہ ان مجوزہ پائپ لائنوں کی تعمیر کی پشت پر جیوسٹراٹیجی اور جیوسیاسی مفادات بھی کام کر رہے ہیں، اس لیے مجوزہ پائپ لائنوں کی گزرگاہوں کا انتخاب ایک مسلسل کشمکش کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس کشمکش میں امریکہ، ایران، روس، جارجیا، ترکی، پاکستان، افغانستان، خطے کے ممالک، چین اور کسی نہ کسی درجے میں بھارت اور اسرائیل متصادم مفادات کے حوالے سے ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔ روس کیا چاہتا ہے، اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ امریکہ روس اور ایران کو نئی پائپ لائنوں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔

جارجیا اور ترکی امریکہ کے حلیف ہیں۔ تاہم اگر امریکی (اور مغربی) مفادات کی تکمیل کے لیے مجوزہ پائپ لائنیں جارجیا کی بندرگاہوں تک بچھائی جاتی ہیں اور وہاں سے ٹینکروں کے ذریعے ترکی کے علاقائی پانیوں کے راستے تیل کی یورپ اور دیگر منڈیوں تک ترسیل کا فیصلہ ہوتا ہے تو اس صورت میں ترکی اور جارجیا کے مفادات میں ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ ترکی چاہتا ہے کہ نئی پائپ لائنوں کا گزر اس کی سرزمین سے ہو۔ اگر جارجیا کے راستے ترکی کی (بحیرہ روم میں واقع بندرگاہ) جیحان تک پائپ لائن کی تعمیر بوجوہ ناممکن یا ناقابل عمل تصور کی جاتی ہے تو ترکی کے مفادات اور (امریکہ کے حریف) ایران کے مفادات میں یگانگت اور وحدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ترکی یہ چاہے گا کہ ایران کے راستے ترکی کی مذکورہ بندرگاہ تک پائپ لائن بچھائی جائے۔ ترکی کے لیے جارجیا کی بندرگاہوں سے آئل ٹینکروں کے ذریعے ابنائے باسفورس کے راستے خطے کے وسائل توانائی کی ترسیل کا مجوزہ منصوبہ ناقابل قبول ہے۔ ابنائے باسفورس میں پہلے ہی بحری ٹریفک کا اژدھام ہے۔ مزید آئل ٹینکروں کی آمدورفت سے ٹریفک کے اس اژدھام میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا جو باسفورس کے دونوں کناروں پر واقع استانبول کے یورپی اور ایشیائی حصوں کے مابین بھاری بحری ٹریفک کو بری طرح متاثر کرنے کا باعث بنے گا۔

خطے میں پائپ لائنوں کی تعمیر اور دیگر اقتصادی سرگرمیوں کے حوالے سے اسرائیلی مفادات کا تقاضا ہے کہ ہر اس اقدام کی مخالفت کی جائے جس کے نتیجے میں ان نو آزاد ریاستوں کے عالم اسلام کے ساتھ انضمام کو تقویت ملتی ہو۔ بھارت سوویت عہد سے ہی نو آزاد ریاستوں کی دارالحکومتوں کے ساتھ قائم اپنے دیرینہ تعلقات کو خطے میں پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے سیاسی اثر ونفوذ کی روک تھام اور اپنے تجارتی اور اقتصادی مفادات کے حصول کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ بھارت اگرچہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ افغانستان کے راستے پاکستان تک مجوزہ پائپ لائنوں کی تعمیر رکوا سکے تاہم پاکستان اور ان نو آزاد ریاستوں کے مابین سٹراٹیجی شراکت کار کی ہر

ممکن مزاحمت اس کے قومی مفادات کا اولین تقاضا ہے۔

ایران نے خطے کے ممالک کے ساتھ مضبوط بنیادوں پر تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ امریکہ کی طرف سے ایران کو یکہ وتنہا کرنے کی پالیسیاں خود امریکیوں کے لیے ناخوشگوار ہی نہیں نقصان دہ (counter - productive) ثابت ہوئی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ خطے کی ریاستیں بلکہ خود مغربی (امریکی نہیں) تیل کمپنیاں ایران کے راستے خلیج فارس تک پائپ لائن کی تعمیر کے مجوزہ منصوبے کو ترجیح دینے لگی ہیں[۴۴]۔ یہی نہیں بلکہ ترکی، برطانیہ اور فرانس کی کمپنیاں ایران کے خلاف عائد امریکی پابندیوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایران میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری میں مصروف نظر آ رہی ہیں۔ یورپی یونین کے ساتھ ایران کے تعلقات از سر نو بحال ہو گئے ہیں۔ ایران-سعودی عرب تعلقات میں بڑی تیزی سے بہتری کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔ تہران بیجنگ اور بغداد کے ساتھ بھی تعلقات کی بہتری کے لیے سرگرم عمل ہے۔ ماسکو کے ساتھ تہران نے پہلے ہی باہمی مفاہمت پر مبنی خوشگوار تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ واشنگٹن کے لیے تہران کا یہ بڑھتا ہوا اثر ورسوخ زبردست پریشانی کا باعث ہے۔ صدر خاتمی کے عہدہ صدارت سنبھالنے کے بعد تو واشنگٹن کی طرف سے بعض ایسے اقدامات کیے گئے جن سے واضح طور پر اظہار ہوتا تھا کہ واشنگٹن نے ایران کے گرد حصار قائم کرنے سے متعلق اپنی پالیسیوں کی ناکامی عملاً تسلیم کر لی ہے۔

پاکستان کی بھی خواہش رہی ہے کہ ترکمنستان سے افغانستان کے راستے پاکستانی بندرگاہوں تک تیل اور گیس کی پائپ لائنیں بچھائی جائیں۔ افغان خانہ جنگی اور مجوزہ پائپ لائنوں کی تعمیر سے منسلک مختلف کمپنیوں کی آپس میں چپقلش نے ان منصوبوں کے التوا میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تہران افغانستان کے راستے پاکستان تک پائپ لائنوں کی تعمیر کو اپنے مفادات کے حوالے سے مثبت اقدام نہیں سمجھتا ہے۔ اولاً ایران پاکستان کو خود اپنی گیس کی فروخت میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ثانیاً پاکستان تک پائپ لائنوں کی تعمیر کے نتیجے میں ایرانی گزرگاہوں کی اہمیت ختم ہو جائے گی کیونکہ

پاکستانی گزرگاہ کھلے سمندر تک مختصر ترین فاصلے پر مشتمل ہے۔ ثالثاً ایران سمجھتا ہے کہ افغانستان کے راستے پاکستان تک پائپ لائنوں کی تعمیر افغانستان کی ایران مخالف طالبان حکومت کے استحکام کا باعث بنے گی۔ ایران - طالبان مخاصمت کی نوعیت کیا ہے؟ یہ موضوع اس مقالے کے دائرہ کار سے باہر ہے۔

افغانستان میں طالبان حکومت کی حمایت کے نتیجے میں ایک مرحلے پر خطے کی ریاستوں کی دارالحکومتوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی تاہم پچھلے کچھ عرصہ سے یہ تاثر ملنا شروع ہوگیا ہے کہ ان ریاستوں کی قیادتوں نے افغانستان میں طالبان حکومت کو بطور ایک زمینی حقیقت تسلیم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اگرچہ نئی صورت حال پاکستان کی یک گونہ مؤثر سفارت کاری کا بھی نتیجہ ہے، تاہم خود طالبان حکومت نے بھی ان ریاستوں کے دارالحکومتوں میں پائے جانے والے اس تاثر کو زائل کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے کہ ''افغانستان پر طالبان کا کنٹرول ان کی اندرونی سلامتی کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے''۔ طالبان کے زیر کنٹرول ''اسلامی امارتِ افغانستان'' نے چین اور ترکمنستان کے ساتھ خوش گوار تعلقات قائم کر لیے ہیں۔ پچھلے کچھ عرصہ سے کابل اور قندہار اعلیٰ سطحی چینی، ترکمن، قازق اور ازبک وفود کا منزل مقصود رہے ہیں۔ طالبان وفود نے بھی ترکمنستان کے دورے کیے ہیں[۴۵]۔ مارچ میں ترکمنستان نے عشق آباد میں افغان امن مذاکرات منعقد کرائے[۴۶]۔ مارچ ہی کے پہلے ہفتے میں پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے قازق وزیر خارجہ نے افغان - وسطی ایشیا تعلقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ پچھلے ایک دو سال کی نسبت اب افغانستان کے بارے میں ہمارے [اور پاکستان وطالبان کے]مؤقف میں یکسانیت پیدا ہو رہی ہے''[۴۷]۔

پچھلے دنوں پاکستان، افغانستان اور ترکمنستان کے مابین ترکمنستان سے افغانستان کے راستے پاکستان تک گیس پائپ لائن (نقشے میں نمبر ۱۱) کی تعمیر کے لیے ایک نئے معاہدہ پر دستخط

ہوئے، جس کی رو سے منصوبہ پر کام کرنے والے کنسورشیم سینٹ گیس (Centgas) کو (منصوبے سے امریکی کمپنی یونوکال کی دستبرداری کے بعد) یونوکال کے ۵۴ء۱۱ فیصد حصص کے برابر سرمایہ فراہم کرنے کے لیے تین ماہ کی مہلت دی گئی ہے۔ اگر اس عرصہ میں کنسورشیم یونوکال کے حصص کے برابر سرمایہ فراہم نہ کر سکا یا اسے یونوکال کے حصص کے برابر سرمایہ کاری کرنے پر رضامند کسی اور کمپنی کی شراکت حاصل نہ ہو سکی تو تینوں ممالک مجوزہ پائپ لائن کے اس حصے کی تعمیر خود کریں گے جو اس کی سرزمین میں بچھائی جائے گی۔ پائپ لائن کے مجوزہ روٹ کے مطابق ترکمنستان کی سرزمین میں اس کی لمبائی ۱۱۰ میل (۱۷۴ کلومیٹر)، افغانستان میں ۵۲۰ میل (۸۳۷ کلومیٹر) اور پاکستان میں ۲۶۰ میل (۴۱۸ کلومیٹر) ہوگی۔ پائپ لائن کی کل طوالت ۸۹۰ میل (۱۴۲۹ کلومیٹر) ہوگی۔ پائپ کا قطر ۴۸ انچ (۱۲۱۹ میلی میٹر) ہوگا۔ یہ پائپ لائن ترکمنستان کے دولت آباد گیس فیلڈز سے پاکستان کے شہر کندھ کوٹ تک بچھائی جائے گی۔ اس پائپ لائن پر لاگت کا تخمینہ ڈھائی بلین ڈالر ہے اور اس سے یومیہ دو بلین مکعب فٹ گیس کی ترسیل ہو سکے گی[۴۸]۔

پاکستان، افغانستان اور ترکمنستان کے مابین اسی دوران تیل پائپ لائن (نقشے میں نمبر ۱۱) سے متعلق بھی سمجھوتہ ہوا جو ترکمنستان سے گوادر کی پاکستانی بندرگاہ تک بچھائی جائے گی۔ اس پائپ لائن کی کل طوالت ۱۱۲۰ میل (۱۸۰۲ کلومیٹر) ہوگی۔ پائپ کا قطر ۴۲ انچ (۱۰۶۷ ملی میٹر) ہوگا، اور اس کی لمبائی ترکمنستان میں ۱۵۰ میل (۲۴۱ کلومیٹر)، افغانستان میں ۵۷۰ میل (۹۱۷ کلومیٹر) اور پاکستان میں ۴۰۰ میل (۶۴۴ کلومیٹر) ہوگی۔ اس پائپ لائن کو بعد میں ازبکستان کے راستے قازق آئل فیلڈز سے منسلک کر دیا جائے گا۔ تیل کی اس پائپ لائن پر لاگت کا تخمینہ ۴ء۳ بلین ڈالر لگایا گیا ہے[۴۹]۔ بحیرہ خذر کے سواحل سے گیس اور تیل کی کھلے سمندروں تک ترسیل کے لیے مجوزہ (افغانستان - پاکستان) گزرگاہ مختصر ترین فاصلے پر مشتمل ہے۔ اور امید ہے کہ اگر سرمایہ کی فراہمی کا مسئلہ حل کر لیا گیا تو ان دونوں پائپ لائنوں پر کام جلد شروع ہو سکے گا۔ افغانستان میں ان

دونوں پائپ لائنوں کو جن علاقوں سے گزارا جائے گا وہ پہلے ہی سے طالبان حکومت کے کنٹرول میں ہیں۵۰۔ افغانستان کے راستے پاکستان تک بچھائی جانے والی مجوزہ پائپ لائنوں کے اس روٹ کو ''جنوب مشرقی گزرگاہ'' کا نام دیا گیا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۷ء میں چین نے قازقستان کے ساتھ مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط کیے جس کی رو سے مشرق میں چین تک تیل کی ترسیل کی پائپ لائن (نقشے میں نمبر۱۰) تعمیر کی جائے گی۔ اس پائپ لائن کی طوالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف قازقستان کے اندر اس کی لمبائی دو ہزار کلومیٹر پر مشتمل ہوگی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، چین نے قازقستان سے اس کے دو آئل فیلڈز خریدنے کے سمجھوتے بھی کیے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ پائپ لائن کی تعمیر سے متعلق چین کا یہ فیصلہ تزویراتی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ تجارتی لحاظ سے یہ منصوبہ بہت مہنگا ثابت ہوگا۔ اس مجوزہ پائپ لائن کے روٹ کو ''مشرقی گزرگاہ'' کا نام دیا گیا ہے۔

وہ مجوزہ پائپ لائنیں جن کے ذریعے شمال میں بحیرہ اسود کی روسی بندرگاہ نوروسیسک تک خطے کے وسائل توانائی کی ترسیل ہو سکے گی ''شمالی گزرگاہیں'' کہلاتی ہیں۔ یہی وہ گزرگاہیں ہیں جو روسیوں کی تجویز کردہ ہیں۔ روسیوں کی تجویز ہے کہ قازقستان اپنے موجودہ پائپ لائن نظام کو توسیع دے کر اسے روسی پائپ لائن نظام (نقشے میں نمبر۴) سے منسلک کر دے۔ روسیوں کی ایک اور تجویز ہے کہ قازقستان کے تنگیز آئل فیلڈ سے بحیرہ کیسپین کے روسی ساحل تک پہلے سے موجود پائپ لائن کو مزید توسیع دے کر باکو سے نوروسیسک کو ملانے والی پائپ لائن سے منسلک کر دیا جائے (نقشے میں نمبر۱)۔ روسیوں کی تجاویز کے مطابق آذربائیجان باکو سے نوروسیسک کی روسی بندرگاہ تک پہلے سے موجود پائپ لائن (نقشے میں نمبر۲) کے علاوہ ایک اور بڑی برآمدی پائپ لائن تعمیر کرسکتا ہے جس پر تقریباً دو بلین ڈالر لاگت آئے گی۔ مجوزہ نئی پائپ لائن چیچنیا کو بائی پاس کرے گی۔

پائپ لائنوں کے لیے امریکہ، ترکی اور جارجیا کی پسندیدہ گزرگاہیں ''مغربی گزرگاہیں'' کہلاتی ہیں۔ ان مجوزہ گزرگاہوں میں سے کاروباری لحاظ سے سب سے سستی گزرگاہ باکو سے بحیرہ اسود کی بندرگاہ سپسا (جارجیا) ہے (نقشے میں نمبر ۴)۔ ابنائے باسفورس میں آئل ٹینکروں کی ٹریفک سے متعلق ترکی کے خدشات سے بچنے کے لیے ایک اور پائپ لائن تجویز کی گئی ہے جو باکو سے جارجیا کے راستے ترکی کے بحیرہ روم میں واقع بندرگاہ جیحان تک تعمیر کی جائے گی (نقشے میں نمبر ۵)۔ اس مجوزہ پائپ لائن میں قباحت یہ ہے کہ یہ ترکی کے کرد علاقوں سے گزر کر جائے گی۔ چنانچہ کرد علیحدگی پسند تحریک کے پیش نظر اسے ممکنہ تخریبی کارروائیوں کا نشانہ بننے سے بچانا ایک مسئلہ ہوگا۔ قازق تیل اور ترکمن گیس و تیل کو ٹرانس کیسپیئن (بحیرہ خذر کی تہہ میں بچھائی جانے والی) پائپ لائنوں (نقشے میں نمبر ۶ اور نمبر ۷) کے ذریعے ''مغربی گزرگاہوں'' میں تعمیر کی جانے والی مجوزہ پائپ لائنوں کے ساتھ ملانے کی تجویز ہے۔

ایران کی سرزمین سے گزرنے والی مجوزہ پائپ لائنوں کے روٹ کو ''جنوبی گزرگاہوں'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جنوبی گزرگاہوں میں وہ گیس پائپ لائن بھی شامل ہے جو ترکمنستان سے ایران تک بچھائی گئی ہے، اور جس کا افتتاح دسمبر ۱۹۹۷ء میں ہو چکا ہے۔ ایران ترکی تک ایک بڑی گیس پائپ لائن (ایران کے راستے) بچھانے کا خواہشمند ہے (نقشے میں نمبر ۸)۔ ایران کے راستے خلیج فارس تک آئل پائپ لائن کی تعمیر کا منصوبہ بھی کاروباری نقطہ نظر سے مغربی تیل کمپنیوں کے لیے کشش کا باعث بنا ہوا ہے (نقشے میں نمبر ۹)۔

یوں لگتا ہے کہ ایران کے راستے پائپ لائنوں کی تعمیر پر امریکی اعتراضات کا سلسلہ پس منظر میں چلا گیا ہے[۵۱]۔ واشنگٹن کی ناراضگی کا رخ اب طالبان کے افغانستان اور جوہری دھماکے کرنے والے پہلے مسلمان ملک پاکستان کی طرف مڑ گیا ہے، جس کا مظہر امریکی کمپنی یونوکال کی طرف سے افغانستان کے راستے پاکستان تک بچھائی جانے والی مجوزہ گیس پائپ لائن کے کنسورشیم میں

اپنے حصص سے دست برداری کا فیصلہ ہے۔ ۱۹۹۸ء میں ''عرب جنگجو'' اسامہ بن لادن کے افغانستان (خوست) میں خفیہ ٹھکانوں پر امریکی حملوں کے نتیجے میں افغانستان میں امریکہ کے لیے پیدا ہونے والے نفرت کے جذبات کے پیش نظر نیز واشنگٹن کی طرف سے یونوکال پر پڑنے والے دباؤ کے باعث اس امریکی کمپنی نے سینٹ گیس کنسورشیم سے علیحدگی کا اعلان کر دیا تھا۔ یونوکال کو نہ تو اس کی جگہ لینے کے لیے کسی اور کمپنی کی طرف سے جلد آگے بڑھنے کی توقع تھی اور نہ ہی اسے افغانستان میں جاری خانہ جنگی کے پیش نظر یہ توقع تھی کہ منصوبہ مستقبل قریب میں قابل عمل ہو سکے گا۔ حال ہی میں سمجھوتے کے غیر متوقع احیاء کے بعد یونوکال نے کنسورشیم میں از سر نو شرکت کے لیے متعلقہ حلقوں سے رابطوں کا آغاز کر دیا ہے۔ تاہم یوں لگتا ہے ارجنٹائن کی بریداس کمپنی یونوکال کی جگہ لینے کے لیے کافی پیش رفت کر چکی ہے[۵۲]۔

یونوکال کے بارے میں طالبان حکومت کا رویہ ہمیشہ سے تقریباً منفی رہا ہے۔ بریداس اور یونوکال کے مابین ترکمنستان - پاکستان پائپ لائن کی تعمیر کے ٹھیکے پر جھگڑا سالوں پر محیط ہے۔ ترکمن حکومت نے امریکیوں کے دباؤ پر نہ صرف بریداس کے بجائے یونوکال کو (ترکمانستان - افغانستان - پاکستان) پائپ لائن کی تعمیر کا ٹھیکہ دے دیا تھا بلکہ بریداس کو ترکمنستان کے میشلار آئل اینڈ گیس بلاک اور کیمار آئل بلاک سے متعلق ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں حاصل کیے گئے ٹھیکوں سے بھی محروم کر دیا تھا۔ بریداس نے ترکمن حکومت کے ان فیصلوں کے خلاف انٹرنیشنل چیمبر آف کامرس (آئی سی سی) میں کیس دائر کر دیا تھا۔ ۲۸ جنوری ۱۹۹۷ء کو آئی سی سی نے بریداس کے حق میں اپنا عبوری فیصلہ صادر کیا۔ جون ۱۹۹۷ء میں آئی سی سی نے اپنا حتمی فیصلہ بھی بریداس کے حق میں صادر کر دیا۔ اسی دوران میں بریداس نے طالبان کے ساتھ مضبوط روابط قائم کرنا شروع کر دیے تھے[۵۳]۔

ترکمن حکومت کے لیے شاید بریداس کی سینٹ گیس کنسورشیم میں شرکت قابل قبول نہیں ہو

گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بریداس ترکمنستان میں خود اپنے گیس (اور آئل) فیلڈز چلا رہی ہے جن سے پیداوار بھی شروع ہوگئی ہے۔ بریداس نے ترکمنستان میں ایک آئل ریفائنری بھی قائم کی ہے۔ آئی سی سی کے فیصلہ کے نتیجے میں ترکمن حکومت بریداس کو ترکمنستان میں اس کے آئل اور گیس فیلڈز سے بے دخل کرنے میں ناکام ہوگئی ہے۔ سینٹ گیس کنسورشیم میں بریداس کی شمولیت کی صورت میں اس کی پہلی ترجیح اپنے گیس فیلڈز کی پیداوار کو برآمد کرنا ہوگا۔ چنانچہ صورت حال یہ ہوگی کہ منصوبے کی تکمیل کے بعد بریداس اپنے ہی تعمیر کردہ پائپ لائن میں اپنے ہی گیس فیلڈز کی پیداوار برآمد کرے گی[۵۴]۔ ترکمن حکومت کے لیے یہ صورت حال شاید ناقابل برداشت ہوگی کیونکہ وہ اس پائپ لائن کے ذریعے ترکمنستان کے گیس کی قومی پیداوار برآمد کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس کے پاس واحد چارۂ کار یہ رہ جاتا ہے کہ وہ سینٹ گیس کنسورشیم میں بریداس کی شمولیت کو مسترد کر دے۔ ترکمنستان کی طرف سے بریداس کی سینٹ گیس میں شمولیت مسترد کیے جانے کی صورت میں مجوزہ پائپ لائنوں کی تعمیر کے منصوبوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ کیا یونوکال اور بریداس کی شمولیت کے بغیر ہی تینوں حکومتیں اپنے اپنے حصے کی پائپ لائن تعمیر کرنے کے لیے درکار وافر سرمایہ فراہم کر سکیں گی؟ کیا سینٹ گیس میں یونوکال کی از سر نو شرکت اور یا پھر اس میں بریداس کی ممکنہ شرکت پر اختلافات امارت اسلامیہ افغانستان اور ترکمنستان کے مابین تعلقات کی کشیدگی کا باعث نہیں بنیں گے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو شاید پائپ لائنوں کی تعمیر کے نتیجے میں تینوں ممالک میں اقتصادی خوشحالی سے متعلق خوابوں کی تکمیل میں رخنہ انداز ہوتے رہیں گے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ پائپ لائنوں کی تعمیر کا کام یونوکال سرانجام دیتی ہے یا بریداس[۵۵]۔ چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ ترکمنستان- پاکستان آئل اور گیس پائپ لائنوں کے مستقبل کا فیصلہ کابل اور عشق آباد کے حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسلام آباد ان دونوں دارالحکومتوں کے مابین مصالحت کنندہ کا کردار تو ادا کر سکتا ہے لیکن کسی قسم کا فیصلہ کرنے کا

اختیار اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

حواشی

۱-دیکھیے روڈیارڈ کپلنگ (۱۹۳۶ء-۱۸۶۵ء) کا افسانہ "Kim"(۱۹۰۱ء)، اور جارج میکڈونلڈ فریزر کا افسانہ ''فلش مین''۔

2. T. A. Heathcote, *The Afghan Wars*, Osprey, London, 1980, pp. 166-167. See also Ralph H. Magnus and Eden Naby, *Afghanistan: Mullah, Marx and Mujahid* Harper Collins, New Delhi, 1998, p. 209 (Appendix-c).

3. "Centeral Asia is the cotton base of the USSR, but it has only a minor role in the manufacture of cotton textiles. Uzbakistan produces some 70 percent of the nation's [Soviet Union's] cotton fiber, but it has a negligible share in taxtile output- just 2.7percent in 1940, 3.7 percent in 1960, 2.8 percent in 1970, 2.7 percent in 1980, and approxiamately 4 percent in 1984. Only 4 to 5 percent of the region's cotton remains there; the rest is shipped to the European part of the country, where more than 70 percent of USSR's output of cotton textiles is produced".

See for more details: Boris Z. Rumer, *Soviet Central Asia: A Tragic Experiment*, Unwin Hymen Ltd, Lonndon, 1989, pp. 72-75.

۴-ہاشمی، ابوریاض، ''قازقستان: استبدادی نظام کا احیاء یا عدم استحکام سے بچاؤ کی تدبیریں'' ماہنامہ وسطی ایشیا کے مسلمان، اسلام آباد، جلد۳، شمارہ ۷-۸ (جولائی-اگست)، ۱۹۹۵ء، ص ۲۹۔

5. "Finally departmentalism and the centeral management of industry and (hence resources) dominated... as a result, the interests of individed regions... [in Central Asia] are relegated to secondary importance". See Boris Z. Rumer, op. cit. p. 55.

۶- نائب امریکی وزیر خارجہ سٹروب ٹالبوٹ نے ۱۹۹۷ء میں "The Great Game is Over" کے نام سے اپنے ایک مضمون میں لکھا:

"In pondering and practising the geopolitics of oil [in Central Asia and Caucasus], we should think in terms appropriate to the 21st century and not the 19th"

دیکھیے: Daily *The News*, sept. 5, 1997.

۷- خان، محمد الیاس، ''پس نوشت،'' *وسطی ایشیا کے مسلمان*، اسلام آباد، جلد ۳، شمارہ ۳-۴ (مارچ-اپریل)، ۱۹۹۵ء، ص ۵۔

۸- دیکھیے: اداریہ، *وسطی ایشیا کے مسلمان*، اسلام آباد، جلد ۳، شمارہ ۵-۶، (مئی-جون)، ۱۹۹۵ء، ص ۲۔

۹- خان، محمد الیاس، ''بحیرہ کیسپیئن: عالمی طاقتوں کے اقتصادی مفادات کی رزم گاہ،'' سہ ماہی *وسطی ایشیا کے مسلمان*، اسلام آباد، جلد ۶، شمارہ ۲، (اپریل-جون)، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۔

10. See "pipeline poker," *The Economist*, Feb. 7, 1995.

۱۱- دسمبر ۱۹۹۷ء میں ترکمنستان-ایران گیس پائپ لائن کا افتتاح ہوا۔ ترکمنستان اس گیس پائپ لائن میں اپنی گیس پمپ کرے گا اور ایران اس کے بدلے میں خلیج پر واقع اپنی بندگاہوں کے ذریعے ترکمن گیس کی مقدار کے برابر ایرانی گیس ترکمنستان کے لیے برآمد کرے گا۔ ایران ترکی تک بھی ایک پائپ لائن بچھانے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے جس کے ذریعے براہ راست ترکمن گیس کو ترکی اور یورپ تک سپلائی کیا جائے گا۔ اس مجوزہ پائپ لائن کی تعمیر پر امریکہ نے بھی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔

دیکھیے: "Survey Central Asia"، *دی اکانومسٹ*، فروری ۷، ۱۹۹۸ء۔

۱۲- خان، محمد الیاس، ''پائپ لائن سیاست: امریکی مؤقف میں تبدیلی،'' ماہنامہ *وسطی ایشیا کے مسلمان*، اسلام آباد، جلد ۵، شمارہ ۹-۱۰ (ستمبر-اکتوبر) ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۔

3. The Economist, op cit.

۱۴- خان، محمد الیاس، ''بحیرہ کیسپیئن: عالمی طاقتوں کے اقتصادی مفادات کی رزم گاہ،'' بحوالہ بالا۔

15. "Pipe line Poker," *The Economist*, op. cit .

16. "The Caucasus: By-passing Russia," *The Economist*, April 17, 1999. pp. 59-60.

17. Ahmed Rashid, "Chinese, Asian Oil Companies Sweep into Centeral Asia," *The Nation*, Aug. 4, 1997.

18-Ahmed Rashid, ibid.

19. "Survey Central Asia," *The Economist*, op. cit.

20. *The Economist*, ibid. See also Ahmed Rashid, "Power Play," *Far Eastern Economist* Review, April 10, 1997.

۲۱-حمودی، عبدلکریم، ''الصراع علی آسیا الوسطی،'' *قضایا دولیۃ*، اسلام آباد، شمارہ ۴-۳ (۳۰ اکتوبر - ۵ نومبر ۱۹۹۵ء)، ص ۲۰-۲۱۔

۲۲-ایضاً۔

۲۳- خان، محمد الیاس، ''بحیرہ کیسپئین: عالمی طاقتوں کے اقتصادی مفادات کی رزم گاہ،'' *سہ ماہی وسطی ایشیا کے مسلمان*، بحوالہ بالا۔

۲۴-عباس، نجم، ''الحصول علی حصۃ فی الکعکۃ القزوینیۃ،'' *قضایا دولیۃ*، اسلام آباد، شمارہ ۲۶ (۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء-۱ جنوری ۱۹۹۵ء)، ص ۲۰-۲۱۔

25. Senator Sam Brownback, "American Foreign Policy in Eurasia," *The Nation*, Aug. 5, 1997.

26. Ibid.

27. Ibid.

28. Ibid.

29. Ahmed Rashid, "Power Play," op. cit.

30. Ibid.

31. Senator Sam Brownback, op. cit.

32. Ibid.

۳۳-''وسطی ایشیا: بیرونی اقتصادی مفادات کی رزم گاہ،'' *وسطی ایشیا کے مسلمان*، جلد ۵، شمارہ ۷-۸ (جولائی - اگست)، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶-۱۹۔

34. Bruce W. Nelan, "The Rush for Caspian Oil," *Time*, May 4, 1998.

۳۵- خان، محمد الیاس، ''پائپ لائن سیاست: امریکی مؤقف میں تبدیلی،'' بحوالہ بالا۔

۳۶- ایضاً۔ نیز دیکھیے: بروس ڈبلیو نیلان، بحوالہ بالا۔

37. Bruce W. Nelan, op cit.

38. "Azeri Oil Pipeline: Russia and America Argue About the Route," *Impact International*, London, Oct. 1995.

See also David J. Lynch, "Drillers Seek Fortune in oil-rich Azerbaijan," *The Frontier Post*, Nov. 13, 1997.

39. "Oil Drums Calling," *The Economist*," Feb. 7, 1998.

40. "Oil of Freedom," *The Economist*, April 11, 1998.

41. "The Caucasus: By-passing Russia," *The Economist*, op. cit.

42. Ibid.

43. "Pipeline Poker", *The Economist*, op. cit.

44. Ibid.

۴۵-دیکھیے: ضرب مومن، شمارہ ۷، شمارہ ۸، شمارہ ۱۸ اور شمارہ ۲۳، ۱۹۹۹ء۔

46. *The Naion*, April 26, 1999.

47. "Afghan Talks Will Succeed, Hopes Kazakh FM," *Dawn*, March 7, 1999.

۴۸-ضرب مومن، شمارہ ۲۲، ۱۹۹۹ء

۴۹-ایضاً۔

50. See "Taliban Minister Arrives... (NNI report)," *The Nation*, April 26, 1999.

۵۱-امریکیوں نے ۱۹۹۷ء میں ایران کے راستے ترکی تک پائپ لائنوں کی تعمیر پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔
تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''پائپ لائن سیاست: امریکی مؤقف میں تبدیلی''، بحوالہ بالا۔

52. "US Firm May Join Pipeline Consortium," *Dawn*, Feb.7, 1999.

53. Ahmed Rashid, "Pipe Dreams," *The Herald*, June, 1997.

54. Ibid.

55. Ahmed Rashid, (quoting Gulfraz Ahmed, Secretary, Ministry of Petrolium), in his article: "Taliban Rule: Oil Companies Woo Kabul's New Masters," *Far Eastern Economic Review*, April 10, 1997.